- کون سا مال خرچ کریں اور کن لوگوں پر؟
- تعلیم کا اصل مقصد کیا ہے؟
- اصلاح کا آغاز اپنی ذات سے کیجئے
- پڑوسی کے حقوق اور ہدیہ کے آداب
- اسکول اور ویلفیئر ٹرسٹ کے قیام کی ضرورت
- ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کیجئے
- تمام اعمال اور اقوال کا وزن ہوگا
- معاشرتی برائیاں اور علماء کی ذمہ داریاں
- ظالم حکمران اور دین کے احکام پر عمل
- مدارس میں طلباء کو کس طرح رہنا چاہیے؟
- ماہ ربیع الاول کا کیا تقاضہ ہے؟
- طالبات کے لئے تین ہدایات

اِصلاحی خُطبات

جلد 20

شیخ الاسلام حضرت مولانا مُفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

ضبط و ترتیب

مفتی محمد عبداللہ میمن

استاد جامعہ دارالعلوم کراچی۔

میمن اسلامک پبلشرز

لیاقت آباد نمبر ۱ کراچی ۱۹

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

خطاب	:	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
ضبط و ترتیب	:	مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب (استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی)
تاریخ اشاعت	:	2015ء
باہتمام	:	محمد مشہود الحق کلیانوی
کمپوزنگ	:	خلیل اللہ
ناشر	:	میمن اسلامک پبلشرز
جلد	:	20
قیمت	:	=/ روپے

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، کراچی۔:0313-920 54 97
- مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
- مکتبہ دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴۔
- کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، اردو بازار، کراچی۔
- مکتبۃ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی۔
- مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی۔

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

الحمد للہ و کفٰی، و سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفٰی، امّا بعد!

اپنے بعض بزرگوں کے ارشاد کی تعمیل میں احقر کئی سال سے جمعہ کے روز عصر کے بعد جامع مسجد بیت المکرم، گلشن اقبال، کراچی میں اپنے اور سننے والوں کے فائدے کے لئے کچھ دین کی باتیں کیا کرتا ہے، اس مجلس میں ہر طبقۂ خیال کے حضرات اور خواتین شریک ہوتے ہیں، الحمد للہ احقر کو ذاتی طور پر بھی اس کا فائدہ ہوتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ سامعین بھی فائدہ محسوس کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو ہم سب کی اصلاح کا ذریعہ بنائے، آمین

احقر کے معاون خصوصی مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہٗ نے کچھ عرصے سے احقر کے ان بیانات کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر کے ان کے کیسٹ تیار کرنے اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا ہے، جس کے بارے میں دوستوں سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان سے بھی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

ان کیسٹوں کی تعداد اب پانچ سو تک ہوگئی ہے، انہی میں سے کچھ کیسٹوں کی تقاریر مولانا عبد اللہ میمن صاحب سلمہٗ نے قلم بند بھی فرمالیں، اور ان کو چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی شکل میں شائع بھی کیا، اب وہ تقاریر کا ایک مجموعہ "اصلاحی

خطبات'' کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

ان میں سے بعض تقاریر پر احقر نے نظر ثانی بھی کی ہے، اور مولانا موصوف نے ان پر ایک مفید کام یہ بھی کیا ہے کہ تقاریر میں جو احادیث آئیں ہیں، ان کی تخریج کر کے ان کے حوالے بھی درج کر دیے ہیں، اس طرح ان کی افادیت اور بھی بڑھ گئی۔

اس کتاب کے مطالعے کے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقریروں کی تلخیص ہے، جو کیسٹوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے، لہٰذا اس کا اسلوب تحریری نہیں، بلکہ خطابی ہے، اگر کسی مسلمان کو ان باتوں سے فائدہ پہنچے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، جس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، اور اگر کوئی بات غیر محتاط یا غیر مفید ہے، تو وہ یقیناً احقر کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہے، لیکن الحمدللہ ان بیانات کا مقصد تقریر برائے تقریر نہیں، بلکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو پھر سامعین کو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان خطبات کو خود احقر کی اور تمام قارئین کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، اور ہم سب کے لئے ذریعہ آخرت ثابت ہوں، اللہ تعالیٰ سے مزید دعا ہے کہ وہ ان خطبات کے مرتب اور ناشر کو بھی اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائیں، آمین

محمد تقی عثمانی

دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

الحمدللہ ''اصلاحی خطبات'' کی بیسویں جلد آپ تک پہنچانے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں، انیسویں جلد کی افادیت اور مقبولیت کے بعد بہت سے حضرات کی طرف سے بیسویں جلد شائع کرنے کا شدید تقاضہ ہوا، اور اب الحمدللہ دن رات کی محنت اور کوشش کے نتیجے میں صرف ایک سال کے عرصے میں یہ جلد تیار ہو کر سامنے آ گئی، اس جلد کی تیاری میں محترم جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ساتھ اس کام کے لئے اپنا قیمتی وقت نکالا، اور دن رات کی انتھک محنت اور کوشش کر کے بیسویں جلد کے لئے مواد تیار کیا، اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے، اور مزید آگے کام جاری رکھنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، آمین

چونکہ کتاب کافی ضخیم ہو چکی ہے، اس لئے خطبات کا نیا سلسلہ نئے نام سے شروع کر رہے ہیں، جسکی پہلی جلد انشاء اللہ بہت جلد آپکے سامنے آ جائیگی، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد مشہود الحق کلیانوی

اجمالی فہرست

اصلاحی خطبات جلد ٢٠

عنوانات | صفحہ نمبر

تفصیلی فہرست مضامین

اصلاحی خطبات جلد ۲۰

اسکول اور ویلفیئر ٹرسٹ کے قیام کی ضرورت ۶۳

تمام اعمال اور اقوال کا وزن ہوگا ۸۱

دین اتباع اور اعمال ظاہرہ و باطنہ کی درستگی کا نام ہے

طالبات کے لئے تین ہدایات ۲۶۵

مدارس میں طلباء کو کس طرح رہنا چاہیے؟ ۲۷۷

کونسا مال خرچ کریں

اور کن لوگوں پر؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال، کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کونسا مال خرچ کریں؟

اور

کن لوگوں پر خرچ کریں؟

الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیّدنا ومولانا محمدٍ وخاتم النبیّین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وعلی کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین . امّا بعد !

عَنْ قَیْسِ بْنِ عَاصِمِ السَّعْدِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: أَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: فَقَالَ: ھٰذَا سَیِّدُ أَھْلِ الْوَبَرِ، فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ: مَا الْمَالُ الَّذِیْ لَیْسَ عَلَیَّ تَبِعَۃٌ مِنْ طَالِبٍ وَّلَا مِنْ وَصِیْفٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: نِعْمَ الْمَالُ اَرْبَعُوْنَ. وَ الْکَثْرَۃُ سِتُّوْنَ، وَوَیْلٌ لِاَصْحَابِ الْمِئِیْنَ، اِلَّا مَنْ اَعْطَی الْکَرِیْمَۃَ، وَمَنَعَ الْغَزِیْرَۃَ، وَنَحَرَ السَّمِیْنَۃَ، فَاَکَلَ وَاَطْعَمَ الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ الخ

(ادب المفرد للبخاری باب قیام الرجل لأخیہ، رقم الحدیث ۹۵۳)

حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت قیس بن عاصم سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں، جو قبیلہ بنو سعد سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان حضرات صحابہ کرام میں سے ہیں جو رئیس، مالدار اور اپنے

قبیلے کے بڑے صاحب حیثیت بزرگ تھے، یہ اپنے قبیلے کے سردار بھی تھے، جب جزیرہ عرب میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی روشنی پھیلائی، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف فرما تھے اور اسلام کے نور کی کرنیں چاروں طرف پھیل رہی تھیں۔ مختلف قبائل میں اسلام پھیل رہا تھا جن علاقوں کے لوگ مسلمان ہو جاتے تو ان علاقوں کے لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے اور آپ سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے سفر کر کے آپ کے پاس آتے۔

یہ دیہاتیوں کے سردار آرہے ہیں

حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ھذا سید أھل الوبر، یہ صاحب جو آرہے ہیں، یہ دیہاتی لوگوں کے سردار ہیں، لفظی معنی یہ ہیں کہ جو بالوں سے بنے خیموں میں رہنے والے لوگ ہوتے ہیں، یہ ان کے سردار ہیں۔ اہل عرب میں یہ طریقہ تھا کہ دیہاتوں میں عموماً جو گھر ہوتے، وہ مٹی کے بنے ہوئے نہیں ہوتے تھے، بلکہ اونٹ کے بالوں سے خیمہ نما بنا لیا جاتا تھا۔ ساری بستی ایسے بنے ہوئے گھروں پر مشتمل ہوتی تھی۔ اسکو عربی زبان میں "اھل الوبر" کہا جاتا تھا۔ جو مکان باقاعدہ گارے اور مٹی سے بنائے جاتے تھے، ان کو "اھل المدر" کہتے تھے عام طور پر بڑے شہروں میں مٹی کے گھر ہوتے تھے اور دیہاتوں کے گھر عام طور پر بالوں سے بنائے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے شہری لوگوں کو "اھل المدر" اور دیہات کے رہنے والوں کو "اھل الوبر" کہا جاتا ہے۔

لوگوں کا ان کے مرتبہ کے لحاظ سے اکرام کرو

بہر حال، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو مجمع سے فرمایا کہ "ھذا سید اھل الوبر" کہ یہ صاحب جو آرہے ہیں یہ دیہات کے لوگوں کے سردار ہیں۔ آپ نے ان کا یہ تعارف لوگوں سے اس لئے کرایا تاکہ لوگ ان کا مناسب اکرام کریں۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، اور آپ کی سنت تھی کہ جو شخص بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا، آپ اس کی حیثیت کے مطابق اس کا اکرام فرماتے، کیونکہ جس درجہ کا اور جس حیثیت کا جو آدمی ہے، اس کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرنا چاہئے۔ چونکہ یہ اپنے علاقے کے سردار تھے اس لئے اس کے مطابق ان کا اکرام فرمایا اور لوگوں سے انکا تعارف کرایا۔

میں کتنا مال اپنے پاس رکھوں؟

حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے رئیس آدمی تھے، بڑے مالدار تھے، وہ خود فرماتے ہیں کہ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! "مَا الْمَالُ الَّذِیْ لَیْسَ عَلَیَّ فِیْهِ تَبِعَةٌ مِنْ طَالِبٍ وَلَا مِنْ ضَیْفٍ" مجھے یہ بتایئے کہ کتنا مال ایسا ہے کہ اگر میں وہ مال اپنے پاس رکھوں تو میری جو ضرورتیں ہیں وہ بھی پوری ہو جائیں اور میرے پاس جو آنے والے مہمان ہیں ان کی بھی میں صحیح طریقے سے مہمانی کر سکوں؟ مطلب یہ تھا کہ ویسے تو میرے پاس بہت مال ہے، لیکن کتنا مال انسان کو اپنے پاس بقدر ضرورت رکھنا چاہئے؟ کہ اس کے ذریعہ وہ اپنی ضرورت بھی پوری کرے، اور اگر کوئی اس کے پاس مانگنے والا آتا ہے تو

اس کے ذریعہ وہ اس کی طلب بھی پوری کردے، اور اگر اس کے پاس کوئی مہمان آتا ہے تو وہ اس کے ذریعہ اس مہمان کی خاطر تواضع بھی کر سکے، ان مقاصد کے لئے کتنا مال اپنے پاس رکھنا چاہئے؟

مالداری کا پیمانہ مویشی ہوتے تھے

جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

"نِعْمَ الْمَالُ اَرْبَعُوْنَ، وَالْكَثْرَةُ سِتُّوْنَ، وَوَيْلٌ لِاَصْحَابِ الْمِئِيْنَ.

فرمایا کہ چالیس مال ہو تو اچھا ہے، اور اگر ساٹھ ہو تو یہ بہت ہے، اور سینکڑوں والوں پر افسوس ہے۔ اب یہاں تو اس روایت میں اس کی وضاحت نہیں ہے کہ وہ "چالیس" کیا ہیں؟ دراھم ہیں، یا دینار ہیں، یا چالیس بکریاں، یا چالیس اونٹ، لیکن حدیث کے سیاق سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ چالیس سے مراد چالیس بکریاں ہیں، چونکہ اس زمانے میں مالداری کا پیمانہ مویشی ہوتے تھے۔ لوگوں کے پاس سونا چاندی تو کم ہوتا تھا اس لئے لوگوں کی دولت کو مویشیوں سے ناپا جاتا تھا کہ اس کے پاس کتنے مویشی ہیں۔ کتنی بکریاں ہیں؟ کتنے اونٹ ہیں؟ کتنی گائے ہیں؟ اور لوگوں کا ذریعہ معاش بھی یہی تھا۔ مثلاً کسی نے بکریاں رکھی ہوئی ہیں تو ان کا دودھ نکال کر استعمال کرتا، اس دودھ کو فروخت کر کے دوسری ضرورتیں پوری کر لیتا، اگر بکری کے بچے ہوئے تو ان کو فروخت کر دیا اس سے اپنی ضرورت پوری کر لی، کسی بکری کو ذبح کر کے خود بھی کھایا، اور کوئی مہمان آیا تو اس کو بھی کھلا دیا۔ لہذا ساری ضروریات اس طرح

جانوروں سے پوری ہوتی تھیں۔ اس وجہ سے مالداری کا پیمانہ جانوروں کو سمجھا جاتا تھا اور آگے بھی جانوروں کا ہی ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چالیس سے مراد چالیس بکریاں ہیں۔

کتنا مال اچھا ہے؟

بہر حال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نِعْمَ الْمَالُ اَرْبَعُوْنَ" یعنی اگر کسی کے پاس چالیس بکریاں ہوں تو وہ اچھا مال ہے، مطلب یہ ہے کہ اتنا مال اس کے گزارے کے لئے کافی ہونا چاہئے کہ اس سے وہ خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے۔ کوئی مہمان آئے تو اس کی خاطر تواضع کر سکے، اور اگر ساٹھ بکریاں ہوں تو وہ بہت ہیں، یعنی چالیس بکریاں تو بقدر ضرورت ہیں اور ساٹھ بکریاں ہوں تو وہ بہت مالدار آدمی ہے، لیکن آگے فرمایا: "وَيْلٌ لِاَصْحَابِ الْمِئِيْنَ"

یعنی جن کے پاس بکریاں اور دوسرے جانور سینکڑوں کی تعداد میں ہوں، ان پر افسوس ہے، کیونکہ وہ بڑے خطرے میں ہیں، اس لئے کہ بظاہر دیکھنے میں ان کی دولت بہت زیادہ ہوگئی ہے، لیکن جتنا مال زیادہ ہوتا ہے، دینی اعتبار سے اتنی ہی نزاکت زیادہ ہوتی ہے، ایک طرف تو اس پر فرائض اور ذمہ داریاں زیادہ ہو جاتی ہیں، اور دوسری طرف آدمی کے اندر مال کی محبت زیادہ ہو جاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں آدمی گناہوں کا مرتکب ہو جاتا ہے، اور آخرت میں اس کا انجام خراب ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین۔

سینکڑوں والوں پر افسوس ہے

بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مالداری کے تین درجے بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ چالیس بکریاں ہوں تو اچھا ہے، اور اگر ساٹھ بکریاں ہوں تو بہت اچھا ہے، اور اگر سینکڑوں میں بات پہنچ جائے تو افسوس کی بات ہے، اب معاملہ خراب ہے، لہٰذا وہ لوگ جن کے پاس سینکڑوں کی تعداد میں جانور ہیں، ان پر افسوس ہے، اور ان کا معاملہ خطرناک ہے البتہ آگے ایک استثناء فرمایا:

مگر وہ شخص جو اپنے مال کو اس طرح خرچ کرے

"اِلَّا مَنْ اَعْطَی الْکَرِیْمَ وَمَنَعَ الْغَزِیْرَۃَ، وَنَحَرَ السَّمِیْنَۃَ، فَاَکَلَ وَاَطْعَمَ الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ"

البتہ اگر کسی شخص کے پاس جانور تو ہیں، لیکن وہ یہ کرتا ہے کہ اس کے پاس جو بہترین قسم کا جانور ہے، اس میں سے وہ لوگوں کو صدقہ میں بھی دیتا ہے، اور ان جانوروں کا دودھ بھی بے تحاشا لوگوں میں تقسیم کرتا ہے، اور اس کے پاس جو موٹے موٹے جانور ہیں ان کو ذبح کر کے اس سے لوگوں کی حاجتیں پوری کرتا ہے اور اس میں سے وہ خود بھی کھاتا ہے، اور دوسروں کو بھی کھلاتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کے پاس سینکڑوں کی تعداد میں جانور ہوں تو یہ ہے تو خطرناک بات، لیکن اگر اس میں مندرجہ صفات پائی جاتی ہوں اور اس کے اندر بخل اور کنجوسی نہیں ہے، بلکہ اللہ کے لئے ان جانوروں سے اچھے اور فربہ جانور خود بھی کھاتا ہے، اور دوسروں کو بھی کھلاتا ہے، ان کو دودھ اللہ کے لئے دوسروں کو دیتا ہے، تو وہ شخص ان شاء اللہ کسی فتنے میں پڑنے سے محفوظ رہے گا۔

یا رسول اللہ میرا تو یہ حال ہے

قلت یا رسول اللہ: ما اکرم هذا الاخلاق، لا یحل بواد انا فیه من کثرة نعمی،

میں نے کہا کہ یا رسول اللہ، جو باتیں آپ بیان فرمارہے ہیں، یہ کتنی عظیم اخلاق کی باتیں ہیں کہ جس آدمی کے پاس مال ہو، وہ اس طرح لوگوں پر خرچ بھی کرے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کرے، پھر آگے خود اپنا حال بیان فرمایا کہ یا رسول اللہ، میرا حال تو یہ ہے کہ جب مجھے کسی کو دینا ہوتا ہے تو وہ بالکل نوجوان جانور ہوتا ہے جس کے تازہ تازہ دانت نکلے ہوتے ہیں۔ میں وہ جانور صدقہ میں دیتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کسی کو عاریتاً استعمال کرنے کے لئے جانور کی ضرورت ہو تو تم اسکو وہ جانور دیتے ہو یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں، یا رسول اللہ، میں اپنی اونٹنیاں لوگوں کو دیدیتا ہوں، وہ اس پر سواری کرنا چاہیں تو سواری کرلیں اور دودھ استعمال کرنا چاہیں تو ان کا دودھ نکال لیں۔

میں کسی کو منع نہیں کرتا

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ اچھا حاملہ اونٹنیوں کا تم کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ، میرا معمول تو یہ ہے کہ لوگ میرے پاس رسیاں لیکر آتے ہیں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ جو جانور تم لے جانا چاہتے ہو، رسی باندھ کر لے جاؤ، چنانچہ وہ اپنی پسند سے رسی باندھ کر جانور لے جاتے ہیں اور میں ان کو کسی جانور کے لیجانے سے نہیں روکتا، اور جب تک وہ لوگ چاہتے ہیں اس کو استعمال

کرتے ہیں، اور میں ان سے نہیں مانگتا، اور جب وہ خود اپنی مرضی سے جس وقت واپس کرنا چاہتے ہیں، واپس کر دیتے ہیں۔

تمہیں اپنا مال زیادہ محبوب ہے یا رشتہ داروں کا؟

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنا مال زیادہ محبوب ہے یا رشتہ داروں کا مال زیادہ محبوب ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ، مجھے تو اپنا مال زیادہ محبوب ہے اور وہ مال جو میرے پاس ہو، اور جو مال میرے رشتہ داروں کے پاس ہے، وہ مال ان کا ہے، اس سے میرا کیا تعلق؟ لہٰذا مجھے تو اپنا مال زیادہ محبوب ہے۔

تمہارا مال صرف وہ ہے

اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا مال تو وہ ہے جس کو تم نے کھا کر ختم کر دیا، اور جس مال کو تم نے اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دیا تو وہ مال آخرت میں ذخیرہ بن گیا، اس کے علاوہ جو باقی مال ہے وہ تمہارے رشتہ داروں کے پاس جانے والا ہے، کیونکہ جب تم مر و گے تو مرنے کے بعد تمہارا ترکہ تقسیم ہوگا، اور تقسیم ہو کر وہ تمہارے وارثوں کو مل جائے گا۔ لہٰذا تمہارا مال تو صرف وہ ہے جس کو تم نے کھا کر اس سے فائدہ اٹھا لیا، یا پھر صدقہ کر دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر ذخیرہ ہو گیا۔ وہ مال انشاء اللہ تمہیں آخرت میں فائدہ پہنچائیگا۔ باقی جو مال تم اپنے پاس بچا بچا کر محفوظ رکھتے ہو، یاد رکھو! وہ تمہارا مال نہیں۔ اس لئے کہ کچھ پتہ نہیں کہ کب تمہاری موت آجائے، اس کے بعد وہ مال تمہارے وارثوں کو ملے گا، لہٰذا جو مال جمع کر کے رکھ رہے ہو، وہ تمہارا نہیں ہے، وہ تمہارے وارثوں کا ہے۔

میں اپنا مال کم کرونگا

جب میں نے یہ سنا تو میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ جب آپ نے یہ بات فرمادی تو جب میں واپس لوٹ کر گھر جاؤنگا تو میں اپنا مال کم کرونگا، یعنی اس میں سے زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کرونگا اور صرف اتنا ہی اپنے پاس رکھونگا، جتنا ضرورت کے مطابق ہے، تاکہ اس میں سے خود کھاؤں اور اس میں سے دوسروں کو صدقہ کروں۔ یہ باتیں کر کے وہ اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے، جب ان کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹوں کو جمع کیا، اور ان سے کہا، میرے بیٹو! میری یہ نصیحت سن لو، اس لئے کہ اتنی خیر خواہی سے کوئی اور شخص تمہیں نصیحت نہیں کریگا، جتنی خیر خواہی سے میں تمہیں نصیحت کر رہا ہوں۔

مجھ پر نوحہ مت کرنا۔ انہی کپڑوں میں دفن کرنا

میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ مجھ پر نوحہ مت کرنا۔ زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ نام لے کر بین کیا کرتے تھے، تم ایسا مت کرنا، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نوحہ نہیں کیا گیا اور آپ نے نوحہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دوسری نصیحت یہ کی کہ مجھے انہی کپڑوں میں کفن دینا جن کپڑوں میں میں نماز پڑھا کرتا تھا، اس زمانے میں قمیض شلوار پہننے کا رواج نہیں تھا۔ عام طور پر لباس ایسا ہوتا تھا جیسے احرام کی چادریں۔ اوپر ایک چادر اور نیچے ایک تہبند، اور وہ دو چادریں کفن میں استعمال ہو سکتی تھیں، اس لئے آپ نے فرمایا کہ مجھے انہی کپڑوں میں کفن دینا۔

بڑوں کو بڑائی دینا

تیسری نصیحت یہ کی کہ تم میں جو بڑے ہیں ان کو اپنا مقتدیٰ بنانا اور بڑوں سے رہنمائی حاصل کرتے رہنا۔ اس لئے اگر تم نے اپنے بڑوں سے رہنمائی حاصل کی اور بڑوں کو بڑا سمجھا تو پھر سمجھو کہ تمہارا باپ تمہارے درمیان موجود ہے، یعنی میرے بعد جو تمہارے بڑے ہیں، وہ تمہارے باپ کے قائم مقام ہونگے، تمہارے لئے فائدہ مند ہونگے، اور اگر تم نے چھوٹوں کی تقلید شروع کردی اور چھوٹوں کو بڑا بنا لیا تو پھر جو تمہارے بڑے ہیں وہ تمہاری نظر میں بے حقیقت ہو جائیں گے اور تم باپ سے محروم ہو جاؤ گے۔

کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا

چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ دنیا کی رغبت کم کرنا، اور اپنی زندگی بہتر بنانے کی کوشش کرنا اور کسی کے سامنے کبھی ہاتھ نہ پھیلانا، اس لئے کہ دوسروں سے سوال کرنا صرف آخری درجے کی مجبوری کے وقت ہونا چاہئے۔ اس سے پہلے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا چاہئے، بہرحال یہ طویل حدیث ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں روایت کی ہے، اس حدیث میں کئی ہدایتیں ہیں اور رہنمائی کے پہلو ہے۔

اتنا مال جمع رکھنا توکل کے خلاف نہیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم سے ایک ایسا سوال کیا جو ہر انسان اور ہر مسلمان کے کام کا سوال ہے، وہ سوال یہ کیا کہ مجھے کتنا مال رکھنا چاہئے جس سے میں اپنی ضرورت پوری کرسکوں، اور میرے اور میرے گھر والوں کے اور مہمانوں کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں وہ ادا کرسکوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ ایک دن اور رات کی روزی رکھ لو، اور باقی سب صدقہ کردو، بلکہ آپ نے فرمایا کہ چالیس بکریاں اطمینان سے زندگی گزارنے کیلئے کافی ہونی چاہئیں اور ساٹھ بکریاں اگر ہیں تو بہت ہیں، اس سے پتہ چلا کہ آدمی کو اتنا مال اپنے پاس رکھنا جس سے اپنی ضروریات پوری ہوجائیں اور کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ پڑے، اور جو متوقع ضروریات ہیں ان کے لئے کچھ جمع ہوجائے تو یہ بات دین کے اور توکل کے خلاف نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف نہیں، چونکہ اس زمانے میں مال کی پیمائش بکریوں کی تعداد سے ہوتی تھی، اب اگر آج کے حساب سے بھی دیکھیں تو جس شخص کے پاس چالیس بکریاں ہونگی، وہ اچھا خاصا مالدار ہوگا یا نہیں؟ اگر چھ ہزار روپے ایک بکری کی قیمت ہو تو دو لاکھ چالیس ہزار روپے ہوگئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا مال رکھنے کی اجازت عطا فرمائی، اور اسکو قابل اطمینان قرار دیا کہ اس کے ذریعہ انسان اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرسکے اور اس کو کسی کے سامنے دست دراز نہ کرنا پڑے، اور جو حقوق ادا کرنے کیلئے کافی ہوجائے۔

حضور کا معاملہ اپنی ذات کے لئے تھا

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صحیح معنی میں دین پر عمل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے

کہ آدمی کچھ بچت نہ کرے، اور اپنے پاس بالکل مال نہ رکھے، یہ خیال درست نہیں، ہاں، یہ ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اتنا اونچا تھا کہ آپ کے گھر مبارک میں کچھ مال نہیں رہتا تھا تو بیشک آپ کا طرز عمل یہی تھا کہ جو مال آرہا ہے، وہ اللہ کی راہ میں خرچ ہورہا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ نماز کے لئے تشریف لائے، مصلی پر نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوگئے، اور اقامت ہوگئی پھر اچانک آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں، پھر تھوڑی دیر میں تشریف لائے اور آکر نماز پڑھائی، نماز کے بعد صحابہ کرام نے پوچھا کہ اچانک جانے کی کیا وجہ پیش آئی؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا، اس وقت مجھے خیال آیا کہ میرے گھر میں کچھ دینار یعنی سونے کے سکے گھر میں پڑے رہ گئے ہیں، تو مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آئی کہ میرا دن اس حالت میں ختم ہو کہ میرے گھر میں سونے کے سکے پڑے رہ جائیں۔ لہٰذا میں نے ان کو ختم کیا اور صدقہ کیا اور پھر آکر نماز پڑھائی۔

ازواج مطہرات کا حال

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ تین تین مہینے تک ہمارے گھر کے چولہوں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا معمول تھا، دراصل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر ساری سختی برداشت کر گئے لیکن امت کے لئے یہ بتایا کہ اگر تمہارے پاس چالیس بکریاں ہوں تو بھی ٹھیک ہے۔ بہر حال، توکل اور استغناء کا اعلیٰ ترین مقام جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا،

آپ کی ازواج مطہرات کو حاصل تھا۔ ان ازواج مطہرات کا یہ حال تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سارے سال کا نفقہ ان کو ایک ساتھ دیدیا کرتے تھے، لیکن وہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات تھیں۔ لہٰذا جو کچھ آیا وہ صدقہ کر دیا۔

ضرورت سے زائد مال خرچ کریں

لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنا خرچ کرو جس سے تمہاری ضروریات میں تنگی نہ آئے۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ، قُلِ الْعَفْوَ (البقرة: ٢١٨)

کہ صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے کہ یا رسول اللہ! ہم اللہ کے راستے میں کتنا خرچ کریں؟ تو اس پر فرمایا کہ جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو وہ خرچ کرو، یہ نہیں کہ اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر صدقہ شروع کر دو، یہ نہیں، بلکہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّدَقَةُ عَنْ ظَهْرِ غِنًى

(البخاری، کتاب الزکاۃ، باب لا صدقة الا عن ظهر غنى، حدیث نمبر ١٤٢٧)

یعنی صدقہ وہ ہے جو اللہ کے راستے میں دینے کے بعد بھی غنا چھوڑ جائے۔ صدقہ دینے کے بعد بھی ضرورت کے مطابق مال موجود رہ جائے۔

مال پس انداز کرنا جائز ہے

لہٰذا اگر آدمی اتنا اہتمام کرے کہ اس کے گھر کے اندر اتنا مال ہو کہ وہ مال اس کے لئے بھی کافی ہو، اور اس کے گھر والوں کی ضرورت کے لئے کافی ہو، اور اگر کوئی

مہمان آجائے کہ اس کی خاطر مدارت کر سکے اور جو چھوٹی موٹی ضروریات کے لئے کچھ پس انداز کر رکھا ہو تو یہ عین جائز ہے، اس میں نہ کوئی عیب ہے، بلکہ جائز ہے، بہرحال چالیس بکری والوں کے بارے میں تو یہ فرمایا۔

زیادہ دولت والے خطرہ میں ہیں

لیکن آگے فرمایا کہ "وَيْلٌ لِاَصْحَابِ الْمِئِيْنَ" سینکڑوں بکریوں والے۔ یعنی جن کے پاس دولت بے حد و حساب ہے، جن کے پاس اتنی دولت ہے کہ ان کی پوری زندگی کے لئے بھی کافی ہے، ساری ضروریات کے لئے بھی کافی ہے، گھر والوں کے لئے بھی کافی ہے، پھر بھی دولت بچ رہی ہے، ان کے بارے میں فرمایا ان پر افسوس ہے، افسوس اس لئے فرمایا کہ یہ لوگ بڑے خطرے میں ہیں۔ خطرے میں اس لئے ہیں کہ جتنی دولت زیادہ ہوگی، اتنی ذمہ داریاں زیادہ ہونگی۔ مثلاً جس کے پاس تھوڑا مال ہے، اس کو زکوٰۃ کا حساب کتاب کرنا کوئی مشکل نہیں، جس کے پاس مال زیادہ ہے، اس کی زکوٰۃ کا حساب کتاب بھی زیادہ ہوگا۔ ایک روپیہ بھی زکاۃ کم نکالی تو آخرت میں پکڑا جائے گا۔

زیادہ دولت کے خراب نتائج

پھر جب دولت زیادہ آجاتی ہے تو اس کے نتیجہ میں انسان کے اندر تکبر آجاتا ہے اس کے نتیجے میں انسان دوسرے کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، اور دوسروں کے حقوق پامال کرنا شروع کر دیتا ہے، یہ سب باتیں انسان کو ہلاکت اور تباہی میں ڈالنے والی ہیں، پھر دولت کی کثرت کی وجہ سے انسان بعض اوقات اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھتا ہے، یہ سب

ہلاکت میں لیجانے والی باتیں ہیں۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس بہت زیادہ اہل ہو وہ ڈرتے رہیں کہ کہیں کسی وقت ان کی پکڑ نہ ہو جائے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر دولت تو بہت ہے، لیکن آدمی کے دل میں اس کی محبت نہیں ہے، اور طبیعت میں بخل نہیں ہے، بلکہ اس دولت پر شکر کرتے ہوئے اس کو استعمال کرتا ہے، اور ضرورت کے مواقع پر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ بھی کرتا ہے تو پھر یہ فرمایا کہ ایسا شخص خطرات سے انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ دولت زیادہ عطا فرمادے تو یہ اس کی نعمت ہے، اس کا شکر ادا کرے اور اس کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی کوشش کرے۔

اعلیٰ مال اللہ کے راستے میں دو

اس لئے آگے استثناء فرمادیا کہ "اِلَّا مَنْ اَعْطَی الْکَرِیْمَ" اس کے ذریعے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا ادب بھی بتادیا کہ اللہ کے راستے میں "کریم" دے، یعنی آپکی دولت میں جو اعلیٰ قسم کی چیزیں ہیں، جو زیادہ قیمتی چیزیں ہیں، جنکی طرف طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے، وہ اللہ کے راستے میں دے، یہ نہ ہو کہ اچھا اچھا مال تو خود رکھ لیا اور جو بیکار اور سڑا گلا مال ہے وہ اللہ کے راستے میں خرچ کر رہا ہے، جیسے مثال مشہور ہے کہ "مری ہوئی بھیڑ اللہ کے نام" یعنی جو بھیڑ مرگئی اور اب کسی کام کی نہیں رہی تو اس کو اللہ تعالیٰ کے نام دیدو، اور اسکو صدقہ کردو، یہ صدقہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

صحابہ کرام کا صدقہ میں عمدہ مال دینا

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّا اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ (البقرة : ٢٦٧)

یعنی تم ایسے نہ بنو کہ تمہارے پاس جو ردی مال ہے، بیکار ہے، ناکارہ ہے اور اگر وہ مال کوئی تمہیں دینا چاہے تو تم اسکو لینا پسند نہ کرو لیکن ایسا مال تم صدقہ کرتے ہو اور اچھا اچھا اپنے پاس رکھتے ہو یہ ٹھیک نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اعلیٰ درجے کا مال دو، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: ٩٢)

فرمایا کہ تم اس وقت تک نیکی کا مرتبہ حاصل نہیں کر سکتے جب تک تم اس مال میں سے خرچ نہ کرو جس سے تمہیں زیادہ محبت ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرات صحابہ کرام میں سے ہر ایک نے اپنا جائزہ لینا شروع کر دیا کہ مجھے سب سے زیادہ کونسا مال پسند ہے؟ اور پھر وہی مال سب سے پہلے صدقہ کر دیا۔

پھر وہ دولت تمہارے لئے خطرناک نہیں

ایک صحابی تھے وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے غور کیا تو مجھے پتہ چلا کہ مجھے اپنا باغ سب سے محبوب ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہ پورا باغ صدقہ کر دیا۔ ایک صحابی کو اپنا کنواں سب سے محبوب تھا، وہ انہوں نے صدقہ کر دیا، کسی صحابی کو اپنا گھوڑا سب سے زیادہ محبوب تھا، انہوں نے وہ گھوڑا صدقہ کر دیا۔ اس کے ذریعہ صدقہ کرنے کا یہ ادب بتا دیا کہ ردی مال صدقہ مت کرو، بلکہ اعلیٰ درجہ کا مال، جس کو تم خود پسند کرتے ہو، اس کو

صدقہ کرو۔ اگر تم اپنی ضرورت سے زیادہ مال میں سے خرچ کر رہے ہو، تو پھر انشاء اللہ وہ دولت تمہارے لئے عذاب نہیں بنے گی۔

عاریتاً چیز دینا افضل صدقہ ہے

دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ ایک صدقہ تو وہ ہے جس میں انسان ایک شخص کو اس چیز کا مالک بنادے کہ یہ چیز تمہاری ہے، تم لے جاؤ، لیکن دوسری چیز جس کا اس حدیث میں ذکر فرمایا، وہ یہ کہ یہ بھی نیکی کا کام ہے کہ کسی نے اپنی چیز دوسرے کو استعمال کے لئے عاریتاً دیدی، مثلاً آپ کے پاس سواری ہے، آپ نے وہ سواری عاریتاً دوسرے کو استعمال کے لئے دیدی، یا مثلاً آپ کے گھر میں استعمال کی کوئی چیز ہے اور دوسرا اس کو مانگ رہا ہے تو وہ چیز اس کو استعمال کے لئے دیدو۔ بعض اوقات دوسرے کو استعمال کے لئے کوئی چیز دینا طبیعت پر صدقہ کرنے سے زیادہ شاق ہوتا ہے، مثلاً آپ سے کوئی آپ کی گاڑی مانگے کہ اپنی گاڑی مجھے استعمال کے لئے دیدو، تو گاڑی دینا طبیعت پر شاق ہوتا ہے کہ کہیں یہ گاڑی کو خراب نہ کردے، لیکن حدود میں رہتے ہوئے اگر آپ کو یہ اطمینان ہو کہ یہ آدمی اس چیز کو صحیح استعمال کریگا تو اس کو عاریتاً دیدینا یہ بھی بڑی فضیلت کی چیز ہے، چنانچہ حدیث شریف میں فرمایا کہ افضل صدقات میں سے ہے کہ کسی کو کوئی چیز عاریتاً دیدی جائے۔

خود کھانا بھی خطرات سے بچانے والا ہے

تیسری بات جو اس حدیث میں بیان فرمائی وہ یہ کہ وہ صدقہ کس کو دے؟ اس کے بارے میں فرمایا کہ :

فَأَكَلَ وَ اَطْعِمَ الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ

یعنی خود بھی کھائے اور ضرورت مند لوگوں کو بھی کھلائے، خود کھانے کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کاموں میں شمار فرمایا جو انسان کو دولت مندی کے خطرات سے بچانے والا ہے، اس لئے کہ بعض ایسے بخیل ہوتے ہیں جو اپنی دولت میں سے نہ خود کھاتے ہیں اور نہ دوسروں کو کھانے دیتے ہیں، بس دولت کو جمع کرتا رہتا ہے اور ہر وقت اس کی گنتی میں لگا ہوا ہے کہ اب میرے پاس کتنی دولت ہوگئی، اس کو گنتا ہے اور خوش ہوتا ہے، اس کو کھانے کی نوبت نہیں آتی، نہ خود کھا رہا ہے اور نہ گھر والوں کو کھلا رہا ہے، نہ کسی اور کو دے رہا ہے، اس سے زیادہ "خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" کا مصداق کوئی اور نہیں ہوسکتا، اس لئے فرمایا کہ آدمی خود بھی کھائے، جب اللہ تعالیٰ نے اچھا دیا ہے تو اچھا کھائے، اچھا دیا ہے تو اچھا پہنے، اور خود بھی اس نقطہ نظر سے کھائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ نعمت دی ہے تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اس کو کھاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاؤ، اور شکر ادا کرو

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ بِمَنْزِلَةِ الصَّائِمِ الصَّابِرِ"

(ترمذی، ابواب صفة القيامة، رقم الحديث ٢٤٨٦)

فرمایا کہ جو آدمی کھائے اور شکر ادا کرے کہ اے اللہ! آپ نے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی ہے آپ کی نعمت سمجھ کر میں اس کو کھا رہا ہوں، اور آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپنے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی، تو جو کھائے اور شکر ادا کرے اس کا درجہ اتنا ہی ہے جیسے

کوئی روزہ رکھے اور اس پر صبر کرے، اس کو جتنا ثواب ملے گا اتنا ہی ثواب اس کو بھی ملے گا جو کھا کر شکر ادا کرنے والا ہوگا۔ یہ نہیں کہ خود کھانے پر کوئی ثواب کوئی فضیلت نہیں ہے، بلکہ خود بھی کھائے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

نعمت کے آثار بندے پر ظاہر ہوں

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یُرٰی اَثَرَ نِعْمَتِہٖ عَلَیْہِ"

(ترمذی، کتاب الادب، باب ما جاء ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علیٰ عبدہ، رقم الحدیث ۲۸۱۹)

یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جو نعمتیں دی ہیں، اس نعمت کے آثار بندے پر نظر آئیں، یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو اس کو دولت مند بنایا ہے، لیکن وہ فقیر بنا پھر رہا ہے، کھانے کے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقیر ہے، کپڑے پہنتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فقیر ہے یہ چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، لہٰذا خود بھی کھائے اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلائے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرے۔ ہاں حد سے تجاوز نہ کرے کہ ہر وقت کھانے پینے کے دھندے میں لگا ہوا ہے، بلکہ اعتدال کے ساتھ کھائے پیئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

سفید پوش کی ضرورت پوری کرو

پھر آگے فرمایا کہ کس کو کھلائے؟ "الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ" دو آدمیوں کا ذکر فرمایا، اس میں بھی بڑا عظیم سبق ہے، اور دراصل یہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں۔ جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں بیان فرمایا۔ "قَانِعٌ" اس شخص کو کہا جاتا ہے جو

''قناعت'' کرنے والا ہو، یہاں اس سے مراد وہ شخص ہے جو بیچارہ ضرورت مند تو ہے، لیکن کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، دستِ سوال دراز نہیں کرتا، بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اس پر قناعت کئے بیٹھا ہے، ایسے شخص کو قانع کہا گیا ہے۔ جسے اردو میں ہم سفید پوش کہتے ہیں کہ دیکھنے میں وہ فقیر نہیں نظر آتا، نادار محسوس نہیں ہوتا، لیکن حقیقت میں وہ ضرورت مند ہوتا ہے، اور اپنی سفید پوشی کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی ضرورت کسی کو ظاہر نہیں کرتا۔ قرآن کریم نے بھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلے اس کا ذکر فرمایا۔ یعنی صدقہ دینے کیلئے اور اپنا مال دینے کے لئے پہلے ایسے شخص کا انتخاب کرو جو کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، بلکہ قناعت کیے ہوئے ہے۔

تلاش کرنے سے مل جائیں گے

اب سوال یہ ہے کہ ایسے شخص کا پتہ کیسے لگے گا؟ اس لئے کہ اگر ضرورت مند آکر اپنی ضرورت کا اظہار کرے تو اس سے پتہ چل جائے گا کہ ضرورت مند ہے، لیکن قانع کا پتہ اس وقت چلے گا جب تمہارے دل میں یہ دھن لگی ہوئی ہو کہ اپنے ملنے جلنے والوں میں، اپنے اعزہ اور اقرباء میں، اپنے پڑوس میں ایسے افراد کو تلاش کروں، اور ان کے حالات معلوم کروں، اور جس دکھ درد میں وہ مبتلا ہیں، میں ان کی خبر گیری کروں، اور پھر بوقت ضرورت ان کی امداد کروں۔ بہر حال سب سے پہلے تمہاری امداد کے مستحق قانع ہیں۔

جو زبانِ حال سے ضرورت کا اظہار کرے

دوسرا لفظ بیان فرمایا ''اَلْمُعْتَرُّ'' معتر اس شخص کو کہتے ہیں جو زبان سے تو نہیں

مانگتا کہ مجھے دیدو، لیکن زبانِ حال سے اپنی ضرورت ظاہر کرتا ہے، مثلاً آپ کسی جگہ پر بیٹھ کر پیسے تقسیم کر رہے ہیں، اس جگہ پر ایک شخص آ کر اس لئے کھڑا ہوگیا کہ شاید آپ اس کو کچھ دیدیں۔ یہاں بھی اس شخص کا ذکر کیا جو زبان سے کچھ نہیں مانگتا ہے، لیکن اس کے حالات بتا رہے ہیں کہ یہ مانگنا چاہتا ہے، لیکن مانگنے کے لئے الفاظ زبان پر نہیں آ رہے ہیں، ایسے شخص کو دوسرے نمبر پر ذکر کیا۔ ''سائل'' کا یہاں ذکر نہیں، لیکن بعض دوسری روایات میں سائل کا ذکر بھی ہے جو اپنی زبان سے کہدیتا ہے کہ میں ضرورت مند ہوں، مجھے دیدو، بشرطیکہ وہ سائل پیشہ ور نہ ہو، بلکہ واقعی ضرورت مند ہو، بہر حال، اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل سے بیان فرمادیا کہ یہ مال کن لوگوں پر خرچ کرنا چاہیے۔

تمہارا مال کونسا ہے؟

آخر میں ایک حکمت کی بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ تمہیں اپنا مال پسند ہے، یا اپنے رشتہ داروں کا مال زیادہ پسند ہے؟ تمہارا مال تو وہ ہے جو تم نے کھالیا اور اپنے استعمال میں لے آئے اور ختم کردیا، یا تم نے وہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کردیا کہ اللہ تعالیٰ کے بنک بیلنس میں وہاں جمع ہوگیا۔ وہ بنک بیلنس اتنا زبردست ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم ایک دانہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہو تو وہ ایک دانہ سات سو گناہ زیادہ ہو کر آخرت میں ملے گا اور سات سو گناہ ادنیٰ درجہ ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ" (البقرة: ٢٦١) یعنی اللہ تعالیٰ جتنا چاہتے ہیں اس کو بڑھاتے

ہیں۔لہٰذا اگر تم نے صدقہ کر دیا تو گویا کہ اپنا مال آخرت کے خزانہ میں محفوظ کر لیا۔

باقی سب مال وارثین کا ہے

بہر حال جو مال تم نے کھالیا، وہ تمہارا، اور جو مال صدقہ کر کے آخرت کا بنک بیلنس کر لیا، وہ تمہارا، باقی جو کچھ ہے وہ سب تمہارے رشتہ داروں میں تقسیم ہو جائے گا۔ بس، تمہاری آنکھ بند ہوئی اور وہ وارثین تمہارے مال کے وارث بن گئے۔ بلکہ آنکھ بند ہونے کی بھی شرط نہیں، بس جیسے ہی مرضِ وفات شروع ہوا اس وقت سے شریعت کا حکم یہ ہے کہ تم اپنے پورے مال پر تصرف نہیں کر سکتے بلکہ ایک تہائی کی حد تک تصرف کر سکتے ہو، کسی کے لئے وصیت کرنی ہو تو ایک تہائی کی حد تک، کسی کو صدقہ کرنا ہو تو ایک تہائی کی حد تک کر سکتے ہو، دو تہائی مال پر تمہارا حق ہی ختم ہو گیا اس لئے کہ وہ تو تمہارے رشتہ داروں کا مال ہے لہٰذا کسی مال کو جمع کرنے فکر میں پڑے ہوئے ہو؟ بہر حال؛ اپنی صحت والی زندگی کے دوران زیادہ سے زیادہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی کوشش کرو، جس کے مصارف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرما دیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

اصلاح کا آغاز

اپنی ذات سے کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم

مولانا عبدالرب صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامعہ فریدیہ
اسلام آباد، پاکستان

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصلاح کا آغاز اپنی ذات سے کیجئے

جامعہ فریدیہ، اسلام آباد، جس کے مہتمم حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب ہیں، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے اس جامعہ میں حاضری کے موقع پر علماء اور طلباء سے خطاب کیا، جسے مولانا عبدالرب صاحب متخصص فی الافتاء، جامعہ فریدیہ، اسلام آباد، نے قلم بند کیا، افادۂ عام کے لئے پیش خدمت ہے۔ بشکریہ البلاغ ۱۴۳۲ھ..................(میمن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ◈ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ◈ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ◈ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ◈ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَ نَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ◈ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اما بعد: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ◈ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ◈ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم ◈ وصدق رسولہ النبی الکریم ◈ و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین.

حاضری کا اصل مقصد

حضرات علماء کرام اور عزیز طلباء، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آج میری

حاضری کا اصل مقصد تو صرف ملاقات کی سعادت حاصل کرنا تھا۔ مولانا عبدالعزیز صاحب اور مولانا عبدالغفار صاحب، اللہ تعالیٰ انکے علم میں برکت اور درجات میں ترقی عطا فرمائے، انکی محبت اور شفقت کے خیال سے حاضری کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کوئی بیان کرنا پیش نظر نہیں تھا لیکن جیسے مولانا عبدالزیز صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ہم آج یک ایسے دور سے گزر رہے ہیں کہ جہاں بھی بیٹھیں تو اپنی حالت زار پر غور کرنے اور مقدور بھر اسکی اصلاح کرنے کی کوشش کرنے کی گفتگو سے کوئی مستغنی نہیں، اسلئے تعمیل ارشاد میں چند کلمات عرض کرتا ہوں:

دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا

جب مولانا یہ فرما رہے تھے کہ ہم اس وقت جس حالت زار سے گزر رہے ہیں اس میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ اس پر کوئی گفتگو ہو جائے، تو میں نے دل ہی دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی "یا اللہ یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہم سب کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے اور شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہو جو ان حالات سے رنجیدہ، پریشان، متفکر اور مشوش نہ ہو۔ اور یہ ایمان کی علامت ہے کہ آدمی امت مسلمہ کے حالات سے فکر مند ہو اور اس کے دل میں اسکی اصلاح کا جذبہ پیدا ہو۔ یوں تو اسکے علاج کے لیے بہت سی باتیں ہوسکتی ہیں لیکن اے اللہ! ایسی بات دل میں ڈال دیجئے جو ہمارے لیے کارآمد ہو، مفید ہو اور جس پر ہم فوری طور پر عمل بھی کر سکیں۔ بہت سے منصوبے ایسے ہوتے ہیں کہ منصوبے کی حد تک تو ان میں بہت خوبصورت بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے لیکن ان پر جب عمل کا مرحلہ آتا ہے تو بہت سی رکاوٹیں اور مشکلات حائل ہو جاتی ہیں...... تو

ایسی مختصر بات جو مختصر وقت میں ہم کہہ سن سکیں اور اس پر عمل بھی کر سکیں۔ اے اللہ! ایسی بات دل میں ڈال دیجئے۔"

دعا کا یہ سبق میرے شیخ حضرت عارفیؒ نے دیا تھا

اور دعا کا یہ سبق میرے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے دیا تھا حضرت عارفی نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ "الحمدللہ کبھی اس بات میں تخلف نہیں ہوتا کہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے یا سوال کرنا ہے تو الحمدللہ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا ہوں کہ یا اللہ پتہ نہیں یہ کیا سوال کریگا، اس کا صحیح جواب میرے دل میں ڈال دیجئے۔" تو یہ رجوع الی اللہ کا ایک بہت عظیم سبق ہے، ہم سب اسکے محتاج ہیں۔ طالب علم ہو، استاد ہو، کوئی بھی ہو، ہر معاملہ میں اللہ جل جلالہ کی طرف رجوع کر کے اس سے توفیق مانگنے کی اگر عادت ہو جائے تو اس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق بھی مضبوط ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انشاء اللہ ہدایت بھی ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ آیت ڈالی ہے

جب میں نے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کے ارشاد پر دل میں دعا کی تو دل میں یہ آیت اللہ تعالیٰ نے ڈال دی جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (المائدہ:۱۰۵) یہ ایک عظیم ہدایت ہے۔ یوں تو

قرآن کریم کا ہر جملہ، ہر لفظ ایک عظیم ہدایت اور روشنی ہے لیکن جس قسم کے حالات سے ہم گزر رہے ہیں اس میں یہ ایک بہت عظیم روشنی کا مینار ہے۔

موجودہ حالات میں ہمارا طرزِ عمل

جب فساد عام ہو جاتا ہے، فتنہ پھیل جاتا تو عام طور سے ہم لوگوں کا یہ مشغلہ بن جاتا ہے کہ جب چار آدمی بیٹھیں گے تو موجودہ حالات کی خرابی کا، لوگوں کی گمراہی کا، لوگوں کے غلط راستے پر جانے کا، فسق و فجور کا، عصیان کا، کفر و الحاد کا، کرپشن کا، رشوت ستانی کا، چوری ڈاکے کا، اغواء برائے تاوان کا تذکرہ اس طرح بیٹھ کر کرتے ہیں کہ بھئی فلاں جگہ یہ ہو گیا، فلاں جگہ یہ ہو گیا، فلاں جگہ یہ ہو گیا، اور بس...... اس سے محفلیں گرم ہوتی ہیں، مجلسوں کا موضوع بنتا ہے اور پھر بات وہیں پر ختم ہو جاتی ہے۔

حالات خراب ہو جائیں تو سب سے پہلا کام یہ کہ اپنا جائزہ لو

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ہمیں اس پہلو کی طرف متوجہ کیا ہے کہ جب فساد پھیل جائے، حالات خراب ہو جائیں، ہمارے قابو میں اس کی اصلاح نہ رہے تو اس صورت میں پہلا کام تمہارا یہ ہونا چاہئے کہ عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ...... اپنا جائزہ لو...... اپنی فکر کرو...... اپنی فکر میں پڑ جاؤ کہ میرے اندر کیا خرابی ہے؟...... ہوتا کیا ہے؟ جب اس قسم کے حالات ہوتے ہیں تو ہم دوسروں پر تنقید کرتے ہیں، دوسروں کی برائیاں بیان کرتے ہیں، دوسروں کے غلط حالات کا ذکر کرتے ہیں اس سے سوائے مایوسی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دوسروں کا معاملہ تو ہمارے ساتھ ہے۔ وہ جو کچھ کریں گے اس کا صلہ وہ دنیا و آخرت میں پائیں

گے۔ لیکن ہر شخص کو یہ جاننا ضروری ہے کہ میرے اندر کیا عیب ہے؟ میرے اندر کیا خرابی ہے؟ میرے اندر کیا نقص ہے؟ اور اگر ہر انسان اپنے ذاتی نقص اور عیب کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس کی اصلاح کی فکر کرلے تو کم از کم ایک چراغ تو جل گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ چراغ سے چراغ جلتے ہیں یعنی اگر صرف مجلسوں میں گفتگو کر کے بات ختم ہو جائے اور دوسروں کے عیوب اور دوسروں کی خرابیوں اور انکی برائیوں پر بات ختم ہو جائے تو اس سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ ہوتا یہ ہے کہ ہم جب اصلاح کا علم لے کھڑے ہوتے ہیں تو ہم سوچتے ہیں کہ ہم تو ہیں ٹھیک، جب کہ دوسرے لوگ خراب ہیں لہٰذا دوسروں کی اصلاح سے کام کا آغاز ہونا چاہئے۔

اصلاح کا آغاز اپنے آپ سے کرو

جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اصلاح کا آغاز اپنے آپ سے کرو لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ۔ اگر تم سیدھے راستے پر آگئے تو جو لوگ گمراہی کے راستے پر جارہے ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے: إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعاً تم سب لوٹ کر میرے پاس آؤ گے فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ، اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین نے وہ حدیث نقل فرمائی ہے جو آپ سب حضرات کو معلوم ہوگی:

جب چار کام ہونے لگیں تو اس وقت

وہ حدیث یہ ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً وَ إِعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ

فَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعْ عَنْكَ اَمْرَ الْعَامَّةِ (مشکاۃ المصابیح باب الامر بالمعروف ص ۴۳۷) کہ جب تم کسی زمانے میں یہ چار علامتیں پاؤ: اِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا: حرص کے جذبے کی اطاعت کی جارہی ہو: وَهَوًى مُتَّبَعًا: خواہشات نفس کی پیروی ہورہی ہو: دُنْيَا مُؤْثَرَةً: دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جارہی ہو: وَاِعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ: اور ہر شخص گھمنڈ میں مبتلا ہو، دوسروں کی بات کو سننے کو تیار نہیں، ہر شخص کا خیال یہ ہو کہ "میں جو سمجھا ہوں وہ درست ہے، دوسرے سب غلط ہیں" اور اگر دوسرا کوئی متوجہ کرنا بھی چاہے تو سننے کو تیار نہیں۔ ہر شخص اپنی رائے پر گھمنڈ میں مبتلا ہو، جب یہ چار علامتیں پائی جائیں تو اس صورت میں اپنے نفس کی اصلاح کی فکر میں لگ جاؤ: وَدَعْ عَنْكَ اَمْرَ الْعَامَّةِ: اور عام لوگوں میں جو گمراہی پھیل رہی ہے، اس کے اندر جو خرابیاں پیدا ہورہی ہیں ان کی فکر چھوڑ دو، یہ نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے۔ آپ ذرا سوچئے کہ یہ چار علامات جو سرکار دو عالم ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ کیا ایسا نہیں لگ رہا کہ آپ ہمارے ہی دور کا نقشہ کھینچ رہیں ہیں، چاروں کی چاروں باتیں اور چاروں کی چاروں علامات آج ہمارے سامنے ہیں۔ تو ایسے حالات میں حکم دیا کہ اپنے نفس کی اصلاح کی فکر میں لگ جاؤ۔

اس حدیث کا صحیح مطلب کیا ہے؟

اس حدیث کی تشریح میں بعض حضرات نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جب یہ صورت حال پیدا ہوجائے تو دعوت کا فریضہ ختم ہوجاتا ہے، دعوت کا حکم نہیں رہتا، بس صرف اپنی اصلاح کا حکم رہ جاتا ہے، یہاں میں یہ بات واضح کردوں کہ یہ موقف

درست نہیں ہے، بلکہ اس حدیث کا جو صحیح مطلب میں نے اپنے بزرگوں سے سنا اور سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں دعوت کا کام اپنے نفس سے شروع کرو، اپنے نفس سے شروع کر کے جب آگے بڑھو گے تو پھر وہ دعوت مؤثر ہوگی کیوں کہ جب یہ کہا جا رہا ہے کہ اپنی فکر کرو یعنی اپنے ذمہ جو فرائض ہیں انکو بجالانے کی فکر کرو تو فریضہ میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آدمی پہلے اپنی اصلاح کرے، اپنے گھر والوں کی اصلاح کرے، اپنے قریبی لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرے، اسکے بعد آگے بڑھے اور اس طرح آگے بڑھتا چلا جائے۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تبلیغ و دعوت ختم ہوگئی، جہاد ختم ہوگیا؟ نہیں! بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نقطہ آغاز بتادیا کہ چاہے دعوت ہو، یا تبلیغ ہو، یا جہاد ہو، کوئی بھی چیز ہو اسکا آغاز اپنے آپ سے کرو۔ اپنے نفس کی طرف غور کرو کہ میرے ذمہ کیا فرائض تھے اور میں ان سے کس درجہ غافل ہوں؟ میرے اندر کیا عیوب ہیں میں کس طرح انکو دور کروں۔ یہاں سے شروع کرو۔ بظاہر تو یوں لگتا ہے کہ اس میں مایوسی پھیلنے والی بات ہے کہ بھئی! پھر دنیا جائے جہنم میں تم اپنی فکر کرو، بظاہر تو مایوسی اور خود غرضی کی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر اسکو صحیح سمجھا جائے اور اسے نقطہ آغاز قرار دیا جائے تو یہ پھر اصلاح کا راستہ ہموار کرنے کے لیے بہترین دستور العمل ہے کہ جب ہر انسان اپنے بارے میں غور کریگا، اور اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کریگا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مثلاً میں اگر جھوٹ بولتا ہوں تو جھوٹ بولنا ترک کر دوں، غیبت کرتا ہوں تو غیبت کرنا ترک کر دوں، میں اگر فرائض سے غفلت برتتا ہوں تو فرائض بجالانا شروع کر دوں، میں اگر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد میں اپنے آپ کو مستغرق کر دوں، اور دین کے جتنے شعبے ہیں، عقائد، عبادات و معاملات، معاشرت، اخلاقیات۔ ان پانچوں شعبوں

کے اندر جہاں جہاں میرے اندر کوتاہی پائی جاتی ہے، اس کو میں درست کرنے کی کوشش کرنا شروع کردوں تو اس سے ایک چراغ جلے گا، ایک نمونہ پیدا ہو جائیگا۔

اللہ تعالیٰ کی سنت

جب ایک نمونہ پیدا ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ کہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ اور دوسرے سے تیسرا چراغ جلتا چلا جائے گا اور پھر اس طرح معاشرے کی اصلاح ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن جب میں خود تو اپنی ذاتی زندگی کے اندر فرائض سے غافل رہوں، اللہ تعالیٰ کی طرف میرا رجوع نہ ہو، میں خود تو جھوٹ بولتا رہوں، میں خود تو غیبت کرتا رہوں، میں خود تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام سے بے فکر رہوں اور دوسروں کو تکلیف پہنچاتا رہوں، معاملات میرے خراب رہیں، اخلاق میرے اچھے نہ ہوں، معاشرت میری درست نہ ہوں: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ کی میں خلاف ورزی کرتا رہوں۔ میں خود تو یہ سب کچھ کرتا رہوں اور لوگوں کی اصلاح کا علَم لے کر کھڑا ہو جاؤں اور لوگوں سے کہوں کہ تم درست ہو جاؤ تو اس سے نہ تو دعوت کا صحیح فائدہ حاصل ہوگا، نہ تبلیغ کا فائدہ حاصل ہوگا، حاصل یہ ہے کہ دل میں حب مال اور شہرت طلبی کے جذبات بھرے ہوئے ہیں تو ان جذبات کے ساتھ جب میں دعوت کا کام لیکر کھڑا ہوتا ہوں تو میرے دماغ پر یہ سوار ہو جاتا ہے کہ کس طرح میں عوام میں مقبولیت حاصل کروں؟ کس طرح میری شہرت زیادہ ہو؟ کس طرح لوگ میرے تابع فرمان بنیں؟ کس طرح میرے آگے منقاد ہوں؟ یہ جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، ان کے نتیجہ میں کام کرنے والوں کے درمیان منافست شروع ہو جاتی ہے، ان

کے درمیان مقابلے ہوتے ہیں، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر ہوتی ہے۔ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے نتیجے میں ایک دوسرے کی برائیاں ہوتی ہیں۔آپس میں انتشار بڑھتا ہے لیکن اگر آدمی اپنی طرف متوجہ رہے اور اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا رہے تو پھر اللہ تعالیٰ اسکے کام میں برکت عطا فرماتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کا واقعہ

حضرت ذوالنون مصریؒ کا آپ سب حضرات نے نام سنا ہوگا، بڑے درجہ کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ انکے واقعات میں لکھا ہے کہ ان سے کسی نے کہا کہ حضرت قحط پڑا ہوا ہے بارش نہیں ہورہی۔لوگ پریشان ہیں۔تو فرمایا: ''بھئی یہ تو سب میرے گناہوں کی نحوست ہے، ایسا کرتا ہوں کہ میں اس بستی سے نکل جاتا ہوں تو شاید اللہ تعالیٰ کی رحمت اس بستی کے اوپر نازل ہو جائے''۔انکو یہ خیال نہیں آیا کہ اس بستی کے اندر جو فساق و فجار ہیں ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے یہ ہورہا ہے۔خیال یہ آیا کہ میرے اندر کوئی خرابی ہے جس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ نہیں ہورہی، میں اس بستی کو چھوڑ کہ چلا جاتا ہوں۔تو جب انسان کو اپنی فکر پڑی ہوتی ہے، اپنے اللہ کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کی فکر میں وہ غلطاں اور پیچاں ہوتا ہے تو پھر دوسروں کی برائیوں کی طرف ذہن کم جاتا ہے اور اگر جاتا بھی ہے تو رحم اور ترس کھانے کے انداز میں کہ یہ بیچارے گمراہی میں مبتلا ہیں، یعنی غلط راستے پر جارہے ہیں۔

دوسروں کے لیے دعا کی جائے

کم از کم اتنا تو ہو کہ ہم ان کے حق میں دعا کریں کہ یا اللہ! ان کو اس گمراہی

سے نکال دیجئے۔ میرے استاد حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، وہ ہمیں سبق میں بتایا کرتے تھے کہ یہ جو حدیث میں دعا ہے کہ جب کسی کو بیمار دیکھو تو یوں کہو :

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلاکَ بِہٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا

وہ فرماتے تھے کہ جو جسمانی بیمار ہیں ان کے بارے میں تو حدیث میں صراحت ہے لیکن جب میں کسی کو دیکھتا ہوں کہ وہ کسی ناجائز کام میں مبتلا ہے اور مثال میں فرمایا کرتے تھے کہ جب میں جاتے ہوئے دیکھتا ہوں کہ لوگ سینما کی لائنوں میں کھڑے ہوئے ہیں۔اب تو بات بہت آگے پہنچ گئی۔ تو میں یہی دعا کرتا ہوں کہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلاھُمْ بِہٖ. کہ اللہ تعالیٰ نے انکو جس میں مبتلا کیا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس سے عافیت عطا فرمائی۔ تو جو گناہگار ہے یعنی گناہ میں مبتلا ہے اس کے اوپر بھی ترس کھاتے کہ یہ بیچارہ جہنم کے راستے پر جا رہا ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے کسی طرح اس کو واپس لے آئے تو یہ دل میں جذبات اس وقت پیدا ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کے جذبات اس وقت پیدا ہوتے ہیں۔ جب آدمی کو فکر ہو اسکی کہ میری اصلاح ہو اور مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ میں اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اور دوسرے انسانوں کو بھی جہنم کی آگ سے نکال سکوں تو جب یہ فکر اسکو اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں تو اس کے نتیجے میں اس کی بات کے اندر تاثیر بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ

دیکھئے! حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند فرمائے۔ حضرت مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ایسے بن گئے تھے کہ ان کے یہاں صحیح بات پہنچانا ایسا ہوگیا تھا کہ جیسے انسان کے بشری تقاضے ہوتے ہیں کہ بھوک لگی ہے تو کھائے بغیر چین نہیں آتا۔ تو ایسی ایسی جگہوں پر جا کر دعوت دیتے تھے جہاں آج کے دور میں کوئی عام سا آدمی بھی دعوت کی نیت سے نہیں جاتا۔ یہ کب ہوا؟ جب اپنے نفس کو کچل چکے تھے۔ نفسانی خواہشات کو کچلا جاچکا تھا اور انہیں رجوع الی اللہ کی کیفیت نصیب ہو چکی تھی اور اپنے اخلاق وکردار کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے سانچے میں ڈھال چکے تھے۔ اس درجے میں ڈھال چکے تھے کہ ایک مرتبہ وہ وعظ فرمارہے تھے...... اور آپ تو جانتے ہیں کہ چوں کہ حضرت کے وعظ میں شرک و بدعت کی تردید بہت ہوتی تھی تو لوگ دشمن بھی بہت ہو گئے تھے...... تو ایک شخص نے کھڑے ہوکر کہا کہ " مولانا! ہم نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں' العیاذ باللہ، العیاذ باللہ مجمع سے کھڑے ہوکر ایک آدمی کہہ رہا ہے۔ آج ہم میں سے کوئی ہوتا، العیاذ باللہ تو کہتا کہ تو حرام زادہ ہے، تیرا باپ حرام زادہ ہے، سخت طیش اور غصہ کا اظہار کرتا اگر وہ خود نہ کرتا تو اس کے حواری کرتے۔ اسکی تکہ بوٹی کر ڈالتے کہ تو ہمارے استاد کو، ہمارے شیخ کو یہ کہتا ہے۔ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے جواب میں فرمایا کہ بھائی! آپ کو غلط اطلاع پہنچی، میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو آج بھی دتی میں موجود ہیں۔ اس کی گالی کو ایک مسئلہ بنا کر اس کا جواب دیا اس لیے کہ نفس مٹ چکا تھا کہ پرواہ

نہیں تھی کہ کوئی اچھا سمجھتا ہے یا برا سمجھتا ہے، گالی دیتا ہے یا تعریف کرتا ہے۔ وہ اپنے نفس کو مٹا چکے تھے تو نتیجہ یہ کہ ایک ایک وعظ میں دو دو سو آدمی حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے ہاتھ پر توبہ کرتے تھے۔

پورا وعظ ایک شخص کے سامنے دہرا دیا

ایک دفعہ حضرت وعظ کر کے دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں سے اتر رہے تھے، ایک دیہاتی شخص دوڑتا ہوا آیا، انہی سے پوچھ رہا ہے کہ کیا مولوی اسماعیل کا وعظ ختم ہو گیا؟ کہا کہ ہاں بھئی ختم ہو گیا۔ کہا کہ میں تو اتنی دور سے مولوی اسماعیل کا وعظ سننے کے لیے آیا تھا مگر افسوس ہے کہ میں محروم رہ گیا مولانا فرماتے ہیں کہ کچھ فکر نہ کرو میرا ہی نام اسماعیل ہے، میرے پاس بیٹھ جاؤ اور جو کچھ میں وعظ میں کہا تھا وہ میں تمہیں سنا دیتا ہوں، دو گھنٹے کا وعظ تھا اس ایک شخص کے سامنے وہ سارا وعظ دہرا دیا کسی نے کہا حضرت! آپ نے بھی کمال کیا ایک آدمی کی خاطر سارا وعظ دہرا دیا؟ فرمایا کہ میں نے تو پہلے بھی وعظ صرف ''ایک'' (یعنی اللہ کے لیے) ہی کے لیے کیا تھا اور دوسری بار بھی ''ایک'' ہی کے لیے کیا ہے۔

یہ بات جب پیدا ہو جاتی ہے کہ جو کام ہے وہ ایک کے لیے ہے۔ اللہ کو راضی کرنے کے لیے ہے اس میں شہرت، جاہ، ناموری، لوگوں میں مقبولیت کا کوئی شائبہ نہیں، کوئی اچھا سمجھے یا برا سمجھے میں تو ایک اللہ کے لیے کر رہا ہوں۔ تو جب یہ بات پیدا ہو جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی بات میں تاثیر بھی پیدا فرماتے ہیں اور پھر آگے اسکا نور بھی پھیلتا ہے۔ اسکی خوشبو بھی پھیلتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس خوشبو سے

پورے عالم کو معطر فرماتے ہیں۔

علم کے ساتھ ساتھ دل کا درد اور رجوع الی اللہ پیدا کرنے کی بھی کوشش کرو

میں نے اپنے والد ماجدؒ سے سنا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے صاحبزادے تھے۔ ان کو حضرت نے کہیں علم حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ عالم ہو کر واپس آئے تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ایک مجلس ہوا کرتی تھی۔ حضرت کے جو متوسلین تھے، آتے تھے حضرت ان کو وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ تو جب یہ صاحبزادے آئے تو حضرت نے ان سے کہا کہ بھئی! تم نیا نیا تازہ تازہ علم حاصل کر کے آئے ہو تو آج تم وعظ کہو، وہ بڑے تازہ دم، نیا نیا علم حاصل کیا ہوا تھا، تو شیخ نے جب پیشکش کی تو انہوں نے خوشی سے قبول کر لی، مجلس جمی ہوئی تھی۔ مجلس میں وعظ کہا، لوگ سنتے رہے، سنتے رہے لیکن ٹس سے مس نہ ہوئے، جیسے تیسے ایک عالم کی بات سن لی، اس کے بعد حضرت شیخ تشریف لائے اور حضرت نے بیٹھ کر ایک جملہ فرمایا کہ بھئی ہمارا ارادہ آج روزہ رکھنے کا تھا، رات کو ہم نے دودھ رکھا تھا کہ سحری میں وہ دودھ پی لیں گے اور روزہ رکھ لیں گے مگر تقدیر غالب آئی۔ بلی آ کر دودھ پی گئی اور ہم روزہ نہ رکھ سکے۔ بس اتنا جملہ کہا تھا کہ پورا مجمع زار و قطار رونے لگا، اتنی سی بات پر مجمع پر گریہ طاری ہو گیا اور سب جھومنے لگے۔ تو بعد میں حضرت شیخ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ دیکھو! تم گھنٹہ بھر وعظ کہتے رہے اس میں تو کچھ ہوا نہیں اور میں نے یہ ایک جملہ کہہ دیا تھا اس سے لوگوں کے دلوں پر ایسا اثر ہو گیا۔ تم تو سیکھ آئے لیکن اب اسی طرح یہ دل کا درد اور دل کا رجوع الی اللہ پیدا کرنے کی کوشش کرو، پھر تمہارا ایک کلمہ بھی چاہے وہ فصیح و بلیغ

بھی نہ ہو، ٹوٹا پھوٹا ہو اس کے اندر بظاہر مضمون بھی کوئی خاص نہ ہو، وہ بھی لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہو جائے گا

اصلاحِ ذات کو اصلاحِ خلق کا ذریعہ بنالو

بہر حال، اس آیت میں ''عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ'' کا جو پیغام ہے وہ درحقیقت اصلاح ذات کے لیے تو ہے ہی، لیکن اصلاح ذات کو اصلاح خلق کا ذریعہ بنانے کا بہترین اور انتہائی بنیادی نسخہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تجویز فرمایا، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کہاں کہاں ہم سے غلطیاں ہو رہی ہیں؟ ہمارے اندر عیوب کہاں کہاں ہیں؟ ہمارے اندر کیا کیا خرابیاں ہیں؟ ان کی اصلاح کی فکر کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اللہ کے ساتھ تعلق مضبوط بنائیں تو پھر دیکھئے کہ اس ایک وجود سے کیسی خوشبو پھوٹتی ہے اور کس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اصلاح خلق کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یہ اللہ جل جلالہ کی سنت ہے۔

فی الحال اپنے آپ کو تعلیم کے لیے وقف کر دو

البتہ فی الحال جب آپ تعلیم حاصل کر رہے ہیں تو اپنے آپ کو تعلیم کے لیے وقف کر دیں اور صبح سے شام تک ہر وقت دل و دماغ پر اسی علم کو پختہ کرنے اور اس کے اخلاق، اعمال، معاشرت ان سب چیزوں کو اپنی زندگی میں اپنانے کی فکر پیدا کریں۔ ایک مثال دیتا ہوں کہ طالب علم، علم تو حاصل کر رہے ہیں۔ نور الایضاح سے لیکر ہدایہ تک سب کتابیں پڑھ لیں اور اس میں پڑھ لیا کہ نماز کی سنتیں یہ ہیں، آداب یہ ہیں،

واجبات یہ ہیں، لیکن جب خود نماز پڑھنے کا وقت آیا تو نہ سنت کا لحاظ، نہ ادب کا لحاظ، بس جلدی جلدی کسی طرح وقت گزاری کر کے اس کو نمٹا دیا، نماز کا یہ حال ہے اور اسباق میں حاضری، استاد کا ادب، استاد سے استفادے کا جذبہ یہ کچھ نہیں، بس وقت گزر رہا ہے حاضری دے دی بات ختم ہوگئی، حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ علم اس لیے دیا تاکہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہو۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ذکر کتنا کرتے ہیں؟ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کتنا بھیجتے ہیں؟ ہم سب اس کا جائزہ لے کر دیکھیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی کہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ، رہائش گاہ میں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔ ساتھ بیٹھتے ہیں، ہم سے کسی کو تکلیف تو نہیں پہنچ رہی؟ بدنظمی کے ذریعے دنیا کے سامنے ایک بھونڈی مثال پیش کرنا، کہ دین والے ایسے بدنظم ہوتے ہیں۔ ایسے بے ڈھنگے ہوتے ہیں۔ یہ ساری کی ساری باتیں ہمارے اندر پائی جاتی ہیں۔ تو پہلے ہم اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں۔ ایک بہترین نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کریں۔

اُسوۂ رسول اکرم ﷺ کی روشنی میں اپنا جائزہ لیتے رہیں

میرے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ سرہ نے اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ آپ لوگوں کے لیے ڈائری بنادی ہے کہ اس کو دیکھتے جاؤ اور اپنا جائزہ لیتے جاؤ جہاں جہاں کمی ہے اس کو دور کرتے جاؤ، تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح کریں گے، تمہارے ذریعے سے دوسروں کی بھی

اصلاح ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے اس کی طرف متوجہ فرمادے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض کو بجالانے کی اپنے فضل وکرم سے توفیق عطا فرمادے تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ یہ دور آتے ہیں اور جاتے ہیں "تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ" یہ جو کچھ گمراہیاں پھیلی ہوئی ہیں، بدعملیاں پھیلی ہوئی ہیں، یہ ظلمتیں ہیں، اندھیرے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ :

ظلمتوں کا جو بول بالا ہے
کوئی سورج نکلنے والا ہے

یہ ظلمتیں ہمیں خود پیغام دیتی ہیں کہ جب رات آتی ہے تو وہ ہمیشہ قائم نہیں رہا کرتی بلکہ اسکے بعد صبح صادق بھی طلوع ہوتی ہے اس کے بعد سورج بھی نکلتا ہے اس کے بعد روشنی بھی پھیلتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ اب ہماری سعادت یہ ہے کہ اس صبح کا اُجالا لانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ پڑ جائے اور وہ حصہ اُسی طرح پڑے گا کہ ہم پہلے اپنے آپ سے شروع کریں اور پھر آگے بڑھیں :

ہمیں خوشی ہے کہ ہم ہیں چراغ آخر شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اُجالا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

اسکول اور ویلفیئر ٹرسٹ

کے قیام کی ضرورت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا محمد حنیف خالد صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : توحید الاسلام ٹرسٹ
بلیک برن، یو کے،

وقت خطاب : ۲۶رجون ۲۰۱۲

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیر مسلم ممالک میں

اسکول اور ویلفیئر ٹرسٹ کے قیام کی ضرورت

۲۹؍رجب ۱۴۳۳ھ (۲۶؍جون ۲۰۱۲ء) کو بلیک برن۔ یو کے میں توحید الاسلام ریلیف ٹرسٹ کی افتتاحی تقریب میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا بصیرت افروز خطاب ہوا تھا۔ افادۂ عام کے لیے وہ خطاب محترمہ اُمّ محمد صاحبہ نے ضبط کیا، اور حضرت مولانا محمد حنیف خالد صاحب، استاذ جامعہ دار العلوم کراچی کی نظرِ ثانی کے بعد ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے (بشکریہ البلاغ، ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ)

حضرات علمائے کرام اور معزز حاضرین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

چند جذبات کا اظہار

یہ میرے لیے سعادت کا موقع ہے کہ الحمدللہ آج آپ حضرات سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور اس مبارک تقریب میں جو توحید الاسلام ریلیف ٹرسٹ کے افتتاح کے سلسلہ میں منعقد ہوئی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے شرکت کی سعادت عطا فرمائی۔ اس موقع پر اپنے دو تین جذبات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔

پہلا جذبہ

ایک تو یہ کہ محبت کرنے والوں نے مجھ ناکارہ کے بارے میں جو تأثرات بیان فرمائے اور جس محبت کے ساتھ انہوں نے اس ناکارہ کا تذکرہ فرمایا تو اس سے مجھے ایسا لگنے لگا کہ یہ توحیدالاسلام ریلیف ٹرسٹ کی افتتاحی تقریب نہیں ہے بلکہ مجھ ناکارہ کی تعارفی تقریب ہے میں اسکے بارے میں صرف اتنی ہی بات عرض کرسکتا ہوں کہ محبت کی آنکھ کو ہر بات اچھی نظر آتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس محبت کی آنکھ کے حسن ظن کو میرے حق میں سچا کردے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ من آنم کہ من دانم، اللہ تبارک وتعالیٰ ان بزرگوں کے خیالات اوران کی خواہشات اور تمناؤں کا مجھے پورا کرنے والا بنادے۔ آمین۔ اور یہ اس کی ذات سے کچھ بعید نہیں۔

دوسرا جذبہ

دوسرا جذبہ جس کا میں اس وقت ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ الحمد للہ اس وقت بہت سی خوشیاں جمع ہیں اور متعدد وجوہ سے آج کے اس اجتماع میں مسرت ہو رہی ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ توحیدالاسلام اسکول کے بارے میں جو تفصیلات بیان فرمائی گئیں اور آج صبح مجھ سے مولانا عبدالحمید صاحب نے اس کی جو تفصیل بیان کی، سچی بات یہ ہے کہ وہ ہمارے لیے بڑا سرمایہ فخر ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس میں مزید ظاہری وباطنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین

مسلمانوں کے حالات دیکھ کر خوشی ہوتی ہے

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے مسلمان دنیا کے ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے تقریباً ان تمام علاقوں میں جانے کی توفیق عطا فرمائی جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں، چھ کے چھ بر اعظموں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے حاضری کا موقع عطا فرمایا اور مسلمانوں کے حالات دیکھنے کی بھی توفیق دی۔ مسلمان غیر مسلم ممالک میں بھی آباد ہیں اور اکثر وبیشتر جہاں جہاں پر ہمیں جانا ہوتا ہے تو ہمارا خطاب یا تقریر یا بیان کسی مسجد میں ہوتا ہے یا کسی مدرسہ میں ہوتا ہے اور وہاں الحمد للہ اچھی صورتیں نظر آتی ہیں جن کے چہروں سے نور جھلک رہا ہوتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ دین پر کاربند ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔

ایک بہت بڑا المیہ

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑا المیہ ہے جو اکثر غیر مسلم ممالک میں ہمارے سامنے آتا ہے اور اس کی وجہ سے دل دکھتا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بعید نہیں کہ دل روتا ہے وہ یہ کہ مسجدوں میں صف اوّل کے پابند لوگوں کے گھروں میں جا کر دیکھو یا ان کی اولاد کے حالات کا جائزہ لو تو دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اولاد بالکل دوسری طرف جارہی ہے، بے دینی کے ماحول میں پرورش پارہی ہے اور ماں باپ اس حد تک مطمئن ہیں کہ انہوں نے اپنی نمازیں بھی پڑھ لی ہیں، روزے رکھ لیے ہیں اور انہوں نے اپنی تلاوت اور روزانہ کے معمولات پورے کر لیے ہیں لیکن اولاد

کی فکر رفتہ رفتہ مٹ رہی ہے۔

اپنی زندگی کا ایک عبرت ناک واقعہ

میں آپ کو اپنی زندگی کا ایک ایسا عبرت ناک واقعہ عرض کرتا ہوں، ۱۹۷۶ء میرا سب سے پہلے جب امریکہ جانے کا اتفاق ہوا تھا، وہاں عربوں کی ایک اسلامی تنظیم تھی، جس نے ہمیں دعوت دی تھی، ہم نے وہ دعوت اس لیے قبول کر لی تھی کہ مسلمانوں کی دعوت ہے۔ جب وہاں حاضر ہوئے تو وہاں سب سے پہلے کھانا تھا، اس کے بعد تقریر کا پروگرام تھا، جب کھانے پر پہنچا تو ایسا معلوم ہوا جیسے ہم غیر مسلموں کی کسی دعوت میں شریک ہو گئے ہیں۔ مرد و عورت کا اختلاط، عریاں لباس اور کھانے میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں تھی، اور انہوں نے اعلان کیا کہ کسی کو حلال کھانا ہو تو وہ مچھلی پر اکتفاء کرے اور پھر اس سے پہلے انہوں نے سارے لوگوں کو ایک کروسر میں سوار کر کے تفریح کا پروگرام بنایا تھا۔ میں اور میرے ساتھی کسی گوشے میں جا کے بیٹھے تو معلوم ہوا کہ وہ پورا کروسر رقص و موسیقی کے پروگراموں سے بھرا ہوا ہے۔ آنکھوں کو بچاتے ہوئے ایک گوشے میں اپنے آپ کو چھپائے ہوئے کسی طرح ہم نے مصیبت کو ٹالا۔

اسلامی تنظیم کے سربراہ کا عذر

بعد میں ان کے منتظم سے میں نے عرض کیا کہ بھائی آپ اسلامی تنظیم کے سربراہ ہیں اور مسلمانوں کا اجتماع کر رہے ہیں، آپ میں اور غیر مسلموں میں کیا فرق ہے؟ تو اس نے تقریباً روتے ہوئے کہا کہ مولانا آپ یہ سمجھئے کہ یہ وہ قوم ہے جس کو اسلام سے کوئی سروکار نہیں، ہم صرف اتنا چاہتے ہیں کہ اس اجتماع کے ذریعہ کم از کم

ان کا نام مسلمان برقرار رہے، یہ ہماری ساری جدّ وجہد صرف اس حد تک ہے کہ ان کا نام مسلمان برقرار رہے اور یہ اپنے آپ کو مرتد نہ بنالیں اس لیے ہمیں یہ چیزیں برداشت کرنی پڑ رہی ہیں کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے آباؤ اجداد یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ اور ان کی اس نسل نے ہر چیز یہاں سے سیکھی ہے، تربیت یہاں کی ہے، ماحول یہاں کا ہے تو ہم اس کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہیں۔

سب سے بڑا مسئلہ اولاد کو سنبھالنے کا ہے

الحمدللہ اب صورت حال بدل رہی ہے۔ اب وہ بات نہیں رہی، لیکن اس کے باوجود اب بھی بیشتر غیر مسلم ملکوں میں معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ اولاد کو سنبھالنے کا ہے اولاد کسی اور طرف جارہی ہے، ماں باپ کسی اور طرف جارہے ہیں، یہ سب سے بڑا مسئلہ ہے اس مسئلے کا کوئی حل اس کے سوانہیں ہے کہ مسلمان اپنے تعلیمی ادارے خود قائم کریں۔ ساری خرابی اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ مسلم اولاد کو جب تعلیم دلانے کا وقت آتا ہے تو ماں باپ اس پر تقریباً مجبور ہوتے ہیں کہ ایسے تعلیمی اداروں میں ان کو بھیجیں جہاں کا ماحول، جہاں کی تعلیم، جہاں کی تربیت، ہر چیز کا رنگ بچے قبول کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے ماں باپ کو قصہ پارینہ سمجھتے ہیں۔ اکبر مرحوم نے کہا تھا کہ:

ہم ایسی سب کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کر بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

والد صاحب کی دو نصیحتیں

اس کا واحد حل یہ تھا کہ مسلمان اپنے تعلیمی ادارے خود قائم کریں۔ میرے والد

ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ جب جنوبی افریقہ تشریف لے گئے تھے تو آپ نے اپنے ہر بیان میں دو نصیحتوں پر زور دیا تھا۔

مسلمان اپنے تعلیمی ادارے قائم کریں

ایک نصیحت یہ کہ تم اپنے تعلیمی ادارے خود قائم کرو اور تعلیمی ادارے سے مراد مدرسہ ہی نہیں، بلکہ تعلیمی اداروں سے مراد یہ ہے کہ مدارس میں عصری تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ آپ مدرسے کتنے بھی قائم کرلیں لیکن معاشرے کا جتنا فیصد حصہ مدرسوں میں آئے گا، یقیناً وہ اس تناسب سے کم ہوگا جو عصری تعلیمی اداروں میں آرہا ہے، لہٰذا مدارس کے قیام کے ساتھ عصری تعلیم کے ادارے مسلمانوں کو قائم کرنے کی حضرت والدِ ماجد تاکید فرمایا کرتے تھے الحمد للہ اب جنوبی افریقہ کے اندر ایسے بہت سے ادارے قائم ہوچکے ہیں۔

اپنی مادری زبان اور اُردو زبان کی حفاظت کریں

دوسری نصیحت یہ کی کہ جو لوگ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش برِ صغیر کے کسی بھی علاقے سے یہاں منتقل ہوئے ہیں وہ خدا کے لیے اپنی مادری زبان کو نہ چھوڑیں اور اپنے بچوں کو مادری زبان اُردو ہو، یا گجراتی ہو، یا فارسی یا جو بھی ان کی مادری زبان ہو، اس سے اپنے بچوں کو وابستہ رکھیں اپنے گھروں کے اندر اُردو بولنے کا اہتمام کریں تاکہ وہ اُردو سے وابستہ رہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فضل وکرم ہے کہ اُردو زبان عربی زبان کے بعد اسلامی علوم کے بارے میں سب سے زیادہ دولت مند زبان ہے یہاں تک کہ وہ فارسی زبان سے بھی آگے بڑھ گئی ہے، اب اگر اُردو زبان کے ساتھ نئی

نسل کا رشتہ ٹوٹ گیا تو اتنے عظیم ورثے سے وہ محروم ہو جائے گی، میں بھی جب بھی ایسی جگھوں پر جاتا ہوں تو وہاں پر حضرت والدِ ماجد کی اس بات کی یہ وصیت لوگوں تک پہنچاتا ہوں۔ الحمد للہ بعض جگہ اس کے اثرات ظاہر ہو رہے ہیں، بعض جگہ ابھی معاملہ راستے میں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے اس کو تکمیل تک پہنچائیں۔

توحید الاسلام اسکول ہم سب کیلئے قابلِ فخر ہے

توحید الاسلام اسکول کے بارے میں آج جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، الحمد للہ ان کو سن کر دل باغ باغ ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ خواب شرمندۂ تعبیر فرمایا اور مولانا عبد الحمید صاحب نے جو تفصیلات بتائیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ الحمد للہ نہ صرف یہ کہ اسلامی اسکول قائم ہوا، بلکہ یہ بات ہم سب کے لیے قابل فخر ہے کہ غیر مسلم ادارے اپنے معیار کو بلند کرنے کے لیے یہاں کے منتظمین کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ آکر ان کے نظام کو درست کریں اور ان کے معیار کو بلند بنائیں، اصل میں مسلمان کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ وہ اپنے قول میں، اپنے فعل میں، اپنے کردار میں، اپنی تعلیم میں غیروں کے لیے نمونہ بنے۔

برّصغیر میں اسلام کیسے آیا؟

برّصغیر (ہندوستان، پاکستان) کے لوگ جو مسلمان ہیں، یہاں اسلام کس طرح آیا ہے؟ وہاں اسلام نہ جہاد کے ذریعے آیا، نہ کسی تبلیغی جماعت کے ذریعے آیا، سب سے پہلی بار اسلام کی روشنی جو برّصغیر میں چمکی ہے وہ مالا بار کے علاقے میں چمکی جس کو آج کل کیرالا کہتے ہیں سب سے پہلے مسلمان تاجر وہاں تجارت کی غرض سے

پہنچے تھے، مقصود ان کا تجارت تھا، وہ نہ جہاد کرنے کے لیے آئے تھے نہ براہِ راست تبلیغ کی نیت سے آئے تھے، بلکہ تاجر کے طور پر آئے تھے، لیکن ان کے قول نے، فعل نے، ان کے کردار نے، ان کے اخلاق نے مجسم تبلیغ کا کام انجام دیا اور مالا بار کے لوگ ان کو دیکھ کر مسلمان ہوئے، سب سے پہلے اسلام کی روشنی اس طرح پھیلی ہے۔

اصل بات تو یہ تھی ہم اپنے آپ کو ایسا دلکش ایسا معیاری بنائیں کہ ہمارے ذریعے اسلام کی طرف رغبت اور کشش پیدا ہو۔ افسوس ہے کہ ہم اس کے اُلٹ جارہے ہیں۔ ابھی میں کل ایک نومسلم کی کتاب پڑھ رہا تھا جس مین اس نے اپنے اسلام لانے کی داستان بیان کی ہے، اور اس میں اس نے کہا ہے کہ اسلام لانے کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ میں جب مسلمانوں کے اخلاق، انکے کردار اور انکے طرزِ عمل کو دیکھتا تھا تو دل میں رکاوٹ پیدا ہوتی تھی کہ اگر اسلام یہی ہے تو پھر ایسا تو ہمیں بننا نہیں، لیکن بعد میں اللہ نے توفیق دی اور ذہن میں یہ بات آئی کہ اسلام کو مسلمانوں سے سمجھنے کے بجائے اسلام کو اسلام سے سمجھنا ہے، بہرحال اللہ نے اس کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دی۔

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ یہ اسکول ایک مثال بنا اور اسی طرز کے اور اسکول بھی مختلف علاقوں میں قائم کرنے کا ارادہ ہے اور بعض جگہوں میں ہو بھی گئے ہیں تو یہ بہت ہی مسرت کی بات ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رحمت سے اس میں مزید ترقی عطا فرمائے اور اس کو دوسرے اسکولوں کے لیے ایک معیار اور مثال بنائے۔ آمین

ویلفیئر کا کام بہت اہم اور ضروری ہے

تیسرا سبب مسرت یہ ہے کہ توحید الاسلام اسکول نے آگے بڑھ کر آج سے

ویلفیئر کے کام شروع کرنے کا ارادہ کیا ہے اور یہ بہت اہم اور بہت ضروری ہے اور مفید اقدام ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ ہم لوگ جب پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں تو کسی حد تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور دین کے جو دوسرے شعبے ہیں ان سے غافل ہو کر انہیں بے دینوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیتے ہیں، ان میں ایک بہت بڑا شعبہ ویلفیئر کا شعبہ ہے اس میں غریبوں کی امداد بھی داخل ہے۔ اس میں معاشرے کی ضروریات کی تکمیل بھی داخل ہے، یہ سارے کام دین کے کام ہیں۔ وہ دین جس کے بارے میں کہا جاتا ہے:

الاسلام بضعة و سبعونَ شعبة اعلاها كلمة لا اله الا الله و ادناها اماطة الاذى عن الطريق تواماطة الاذى عن الطريق.

نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ نے ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا اور صحیح بخاری شریف میں معروف حدیث ہے کہ ایک شخص نے راستے سے کانٹا ہٹا دیا تو "فشكر الله فغفر له" اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی قدردانی فرمائی اور اس کی مغفرت فرما دی، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "خير الناس من ينفع الناس" بہترین انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کو فائدہ پہنچائے، یہاں "من ينفع المسلمين" نہیں فرمایا، بلکہ من ينفع الناس فرمایا ہے یعنی کوئی بھی انسان ہو، جو شخص انسانوں کو فائدہ پہنچاتا ہے اُسے نبی کریم ﷺ نے خیر الناس قرار دیا ہے "نظفوا افنيتكم" فرمایا کہ اپنے گھر کے ماحول کو صاف ستھرا رکھو اور اسی میں بعض روایتوں میں اگلا جملہ فرمایا "ولا تشبهوا باليهود" کہ

یہودیوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو یعنی اس وقت یہودی لوگ گندے رہا کرتے تھے ان کے مکانات گندے ہوا کرتے تھے فرمایا کہ ان جیسے نہ بنو بلکہ اپنے مکانات کو، اپنے ماحول کو صاف ستھرا رکھو، ایسا لگتا ہے کہ ہم لوگوں نے ان سب باتوں کو دین سے خارج کردیا، تو ویلفیئر کا کام فلاح و بہبود کا کام ہے انسانی فلاح کا کام ہے، یہ بڑی عظیم خدمت ہے، عظیم عبادت ہے۔

مولانا جامیؒ کا فرمان

مولانا عبدالرحمن جامی جن کی شرح جامی ہم لوگ پڑھا کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں :

ز تسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمتِ خلق نیست

کہ طریقت یعنی تصوف و سلوک صرف تسبیح پڑھ لینے اور مصلیٰ بچھا دینے سے اور پھٹا پرانا لباس پہننے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ طریقت بجز خدمتِ خلق نیست، طریقت تو مخلوق کی خدمت کا نام ہے۔

میرے شیخ حضرت عارفیؒ کی ایک عجیب بات

میرے شیخ حضرت عارفی قدس اللہ سرہ ایک عجیب بات فرمایا کرتے تھے، جو ہم سب کو یاد رکھنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ فرماتے تھے کہ دنیا میں جتنے منصب اور عہدے ہیں لوگ ان کے پیچھے بھاگتے ہیں، مثلاً میں صدر بن جاؤں، وزیرِ اعظم بن جاؤں، کسی جماعت کا صدر بن جاؤں، رہنما بن جاؤں، لیکن

ان تمام مناصب کا حال یہ ہے کہ اول تو ان کو حاصل کرنا اپنے اختیار میں نہیں کہ جب چاہوں صدر بن جاؤں، جب چاہوں وزیر اعظم بن جاؤں اپنے اختیار سے باہر ہے۔ کتنی ہی خواہش کرتے رہو، الیکشن لڑتے رہو، معلوم ہوا کہ سال بھر کی کوشش کرنے کے بعد الیکشن ہار گئے تو نہ صدر بن پائے، نہ وزیر اعظم بن پائے اپنے اختیار میں نہیں۔ اگر فرض کرو مل بھی جائے تو اس کا رہنا اختیار میں نہیں، پتہ نہیں کب نیچے سے کرسی کھسک جائے، ہم تو پاکستان میں روز یہ مناظر دیکھتے ہیں کہ ایک شخص آج ملک کا وزیر اعظم ہے کل جیل میں ہے۔

حضرت تھانوی کو امیر بننے کی پیشکش اور آپکا جواب

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو کسی نے ایک مرتبہ یہ پیشکش کی تھی کہ آپ ہمارے امیر بن جائیں اور امیر بن کر ہندوستان مین اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کام کریں، تو آپ نے فرمایا تھا کہ بھئی میں ایسا امیر نہیں بن سکتا کہ آج "امیر المومنین ہوں اور کل امیر الکافرین ہوں، تو یہ منصب اپنے اختیار میں نہیں، اس کو باقی رکھنا اپنے اختیار میں نہیں، پتہ نہیں کب کرسی کھسک جائے اور جب تک وہ منصب ہے تو اس وقت تک کیا ہوگا؟ اس وقت تک یہ ہوگا کہ بہت سے حسد کرنے والے حسد کریں گے کہ یہ پہنچ گیا، میں رہ گیا، اور بہت سے کرسی سے اتارنے کی کوشش کریں گے۔ ہر منصب میں یہ سب خطرات ہیں، تو حضرت فرماتے تھے کہ میں تم کو ایک ایسا منصب بتاتا ہوں، کہ اس کا حاصل کرنا اپنے اختیار میں ہے جب چاہو، حاصل کرلو اور رکھنا بھی اپنے اختیار میں ہے، کوئی تم سے چھینے گا نہیں اور تیسرا یہ کہ اس کے اوپر کوئی

حسد بھی نہیں کرے گا۔

خادم بن جاؤ

وہ عہد یہ ہے کہ خادم بن جاؤ۔ خادم بنو، یہ سمجھو کہ تم خادم بنا کر پیدا کیے گئے ہو، اپنے والدین کی خدمت، اپنے بھائی بہنوں کی خدمت، اپنے بیوی بچوں کی خدمت، اپنے استاذوں کی خدمت، اپنے شاگردوں کی خدمت، اپنے ملنے جلنے والوں کی خدمت، اپنے ملک والوں کی خدمت۔ خدمت کے عنوان مختلف ہوتے ہیں تو یہ خادم کا عہد ایسا ہے کہ اسے خود اختیار کر لو اور کبھی کوئی چھینے گا نہیں کیونکہ خدمت اپنے اختیار میں ہے اور نہ کوئی حسد کرے گا، تو ہمارے حضرات اکابر جن کے ہم نام لیوا ہیں انہوں نے یہ کام کر کے دکھایا۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کا واقعہ

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی دادی کے نانا ہوتے تھے، بڑے زبردست عالم، بڑے زبردست محدث، حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ کے بھائی حضرت شاہ محمد یعقوب صاحبؒ سے اجازت حاصل تھی، بڑے اونچے درجے کے عالم تھے، اور کاندھلہ میں ان کے علم، تقوی، عبادت اور زہد کی شہرت تھی، پیدل سفر کرتے تھے، دہلی میں پڑھے، دہلی میں اس طرح تعلیم حاصل کی کہ جب دہلی میں رہے صرف روٹی کھاتے تھے، سالن نہیں کھاتے تھے، اس لیے کہ وہاں کے دکاندار سالن میں آمچور ڈالتے تھے۔ آمچور آم کی کھٹائی ہوتی ہے۔ حضرت فرماتے تھے کہ آموں کی بیع قبل بدو صلاح

ہوتی ہے لہٰذا اگر چہ فتویٰ یہ ہے کہ جب تک متعین طور پر معلوم نہ ہو تو عام لوگوں کے لیے فتویٰ کی رو سے تو جائز ہے لیکن تقویٰ یہ ہے کہ وہ سالن نہ کھایا جائے، جس میں آمچور ملا ہوا ہو، اور اس آمچور کی بیع قبل بدو صلاح ہوئی ہے تو دہلی میں قیام کے دوران کبھی سالن نہیں کھایا صرف روٹی پر اکتفا کرتے تھے، ایک مرتبہ کاندھلہ پیدل آرہے تھے، دیکھا کہ ایک بوڑھا سا آدمی کچھ اپنا سامان لاد کر لیجا رہا ہے، اور ایسا لگ رہا تھا کہ اس کو سامان اٹھانے سے دقت ہو رہی ہے، تو حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے سلام کیا اور کہا آپ کو سامان اُٹھانے میں دقت ہو رہی ہے اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں سامان اُٹھالوں، انہوں نے کہا سبحان اللہ، وہ سارا بوجھ حضرت نے اپنے کندھے پر اُٹھالیا اور پیدل چلتے رہے، راستے میں حضرت نے پوچھا کہ بھئی آپ کہاں جارہے ہیں؟ اس نے کہا کہ کاندھلہ جارہا ہوں۔ پوچھا کیوں جارہے ہو؟ کہا کہ وہاں ایک بڑے بزرگ ہیں ان کا نام مولانا مظفر حسین صاحب ہے ان کی زیارت کے لیے جارہا ہوں، سنا ہے بڑے بزرگ ہیں آپ جانو انہیں؟ مولانا نے کہا میں جانتا ہوں اس نے کہا سنا ہے کہ بڑے بزرگ ہیں، حضرت نے کہا ہاں نماز تو پڑھ لیتے ہیں، چلتے گئے یہاں تک کہ جب کاندھلہ میں داخل ہوئے اور حضرت کو لوگوں نے دیکھا، وہ لوگ حضرت کو پہچانتے تھے، وہ جلدی سے آگے آئے کہ حضرت نے بوجھ اُٹھایا ہوا ہے، وہ سامان ان سے لے لیا، اب وہ شخص شرمندہ ہوا اور ہاتھ جوڑنے لگا کہ خدا کے لیے مجھے معاف کر دو، حضرت نے فرمایا اس میں معافی کی کیا بات ہے؟ آپ کو اُٹھانے میں تکلیف ہو رہی تھی میں نے اُٹھالیا، اس میں معافی کی کیا بات ہے آپ کی

خدمت کرنے کا موقع مل گیا، بہرحال؛ ہمارے بزرگ کسی چیز سے غافل نہیں تھے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک واقعہ

میرے والدِ ماجد قدس اللہ سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تھانہ بھون جایا کرتے تھے ایک مرتبہ ریل سے اُترے، تھانہ بھون، چھوٹا سا اسٹیشن تھا، رات کا وقت تھا، تو دیکھا کہ ایک فیملی کے لوگ بھی اُترے ہیں وہ بھی حضرت کے یہاں جانے والے تھے اور ان کے پاس کافی سامان تھا تو وہ پکار رہے تھے قلی قلی قلی، یعنی کسی قلی کو آواز دے رہے تھے جو سامان اُٹھائے، اتفاق سے رات کا وقت تھا وہاں کوئی قلی موجود نہیں تھا، حضرت والد صاحب نے دیکھا کہ پریشان ہو رہے ہیں تو آپ نے اپنا عمامہ قلیوں کی طرح سر پر باندھا اور ان کے پاس آکر کہا فرمایئے کیا سامان ہے؟ یہ سامان ہے اُٹھاؤ۔ کتنے پیسے لوگے؟ فرمایا جو آپ کی مرضی ہو دیدینا، یہ کہہ کر وہ سارا سامان سر پر اُٹھا کر خانقاہ تھانہ بھون تک پہنچایا۔ پہونچا کر وہاں سے غائب ہوگئے۔ اگلے دن وہ صاحب جو فیملی کو لیکر آئے تھے، حضرت تھانوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حاضر ہوکر کہا کہ حضرت آپ کی کرامت ظاہر ہوگئی، حضرت نے کہا کیا کرامت؟ انہوں نے سارا واقعہ سنایا کہ اس طرح میں رات کے وقت آیا، ایسا سامان تھا پتہ نہیں اللہ نے کوئی فرشتہ بھیج دیا وہ میرا سامان پہنچا کر چلا گیا اور پیسے دینے کا وقت آیا تو وہ غائب ہوگیا۔ حضرت والد صاحب سب کچھ سن رہے تھے اس آدمی کو پتہ نہیں تھا کہ کس نے یہ کام کیا تھا اور حضرت تھانویؒ کو بھی پتہ نہیں تھا۔ یہ واقعہ ہمارے والد ماجد نے ہمیں شرم دلانے کے لیے سنایا تھا۔

تو خدمتِ خلق اور خادم کا منصب ایسا ہے کہ حضرت فرماتے ہیں کہ اپنے اختیار کا ہے۔ کوئی اس کو چھیننے گا نہیں، کوئی اس پر نظر نہیں لگائے گا، کوئی تم سے حسد نہیں کریگا، بس خادم بن جاؤ، سارے بکھیڑے مخدوم بننے میں ہیں، خادم بن گئے تو کوئی جھگڑا نہیں۔

ز تسبیح و سجادہ و دلق نیست
طریقت بجز خدمتِ خلق نیست

یہ پہلو ایسا ہے کہ ہم نے چونکہ اسے چھوڑا ہوا ہے، اس لیے اسے غیروں نے اختیار کرلیا، عیسائی مشینریوں کو دیکھو کہ وہ اس خدمت خلق کے ذریعے اپنے باطل کو پھیلاتی ہیں اور ہم اس کے ذریعہ اپنے حق کو پھیلا سکتے ہیں، اس واسطے یہ ویلفیئر کا جو کام شروع ہو رہا ہے یہ بڑا ہی انشاء اللہ مبارک کام ہے۔

خدمت خلق کے کام میں نیت کیا ہونی چاہئے؟

اس کام میں نیت یہ رکھے کہ ہم مخلوق کی خدمت کرنے کے لیے یہ کام کر رہے ہیں اور مخلوق کی خدمت ان سے شکریہ حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کی خاطر یہ کام کر رہے ہیں "انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزآءً و لا شکوراً" یعنی "ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ"۔ (سورۃ الانسان: ۱۰)
اس نیت کے ساتھ یہ کام ہوگا تو انشاء اللہ، اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی برکات ظاہر فرمائیں گے۔

ایک گذارش

البتہ صرف اتنی گزارش ہے اور الحمد للہ وہ پہلے ہی سے مدنظر ہے کہ اس قسم کے جتنے بھی کام ہوتے ہیں، ان میں بعض اوقات ایسے مراحل بھی آجاتے ہیں، جہاں آدمی پٹڑی سے اُترنے لگتا ہے جس سے تحفظ کا راستہ یہ ہے کہ اس قسم کے جتنے بھی کام ہوں علماء کرام کی نگرانی میں ہوں۔ علماء کرام کی سرپرستی اور ان کی رہنمائی میں ہوں تاکہ کسی جگہ کسی موقع پر غلط راستے پر نہ پڑ جائیں بعض اوقات ایک غیر محسوس تبدیلی ہوتی ہے لیکن اس کے اثرات بڑے دوررس ہوتے ہیں، میرے والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو جہاں ٹرین کی پٹڑی راستہ بدلتی ہے تو اس جگہ دونوں لائنوں کے درمیان فاصلہ بہت تھوڑا ہوتا ہے، لیکن جب وہ دور چلا جاتا ہے تو فاصلہ ہزاروں میل کا ہو جاتا ہے صحیح راستہ پر رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ ہو وہ شریعت کے دائرہ میں ہو اور علمائے کرام کی مشاورت، ان کی رہنمائی اور ان کی سرپرستی میں ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے اس کام میں برکت عطا فرمائے، ترقی عطا فرمائے، اس کام کے کرنے والوں میں صدق واخلاص پیدا فرمائے اور اس کا فائدہ اُمت کو پہنچائے۔ آمین ثم آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

❀❀❀

تمام اعمال اور اقوال کا وزن ہوگا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا وکیل احمد صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : درس گاہ دورۂ حدیث (جامعہ دارالعلوم کراچی)

وقت خطاب : ۱۰ر جون، بروز اتوار

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَرَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام اعمال اور اقوال کا وزن ہوگا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اہم پیغام

۱۹ رجب ۱۴۳۳ھ (۱۰ رجون ۲۰۱۲ء) اتوار کے روز حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے جامعہ دار العلوم کراچی کے طلباء دورۂ حدیث کے سامنے صحیح بخاری کا آخری درس ارشاد فرمایا، جسے مولانا وکیل احمد صاحب نے قلم بند فرمایا جو علماء، طلباء کے لئے بطور خاص بہت سی عام ہدایات پر مشتمل ہے، افادۂ عام کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔ بشکریہ البلاغ شعبان ۱۴۳۳ھ..............(میمن)

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا ومولانا محمد وخاتم النبيين وعلى آله واصحابه اجمعين وعلى كل من تبعهم باحسان الى يوم الدين . اما بعد !

تمہیدی کلمات

یہ صحیح بخاری کے آخری باب کا درس ہو رہا ہے اور اس میں الحمد للہ جامعہ دار العلوم کراچی کے چار سو سے زائد طلبہ، دورۂ حدیث کی تعلیم کی تکمیل کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ الحمد للہ مدرسۃ البنات میں تقریباً چھتیس طالبات بھی دورۂ حدیث کی تکمیل میں شریک ہیں چنانچہ آج کا یہ درس بنین اور بنات دونوں کا مشترک درس ہے اس لئے مدرسۃ البنات میں ہماری جو ہونہار طالبات دورۂ حدیث کی تکمیل کر رہی ہیں ان

سے بھی درخواست ہے کہ وہ اپنی کتابیں کھول کر سامنے رکھیں اور اس درس میں وہ بھی شریک ہوں۔

کتاب التوحید صحیح بخاری کے آخر میں کیوں ہے؟

یہ صحیح بخاری کا آخری باب ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عادت کے موافق قرآن کریم کی اس آیت کے عنوان سے مقرر فرمایا ہے :

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ (القرآن)

اور یہ صحیح بخاری کا بھی آخری باب ہے اور بخاری شریف کی آخری کتاب، کتاب التوحید بھی اس باب پر ختم ہو رہی ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کو کتاب التوحید پر ختم فرمایا، توحید ایمانیات کا سب سے اہم عقیدہ ہے اس لئے بظاہر کتاب التوحید، کتاب الایمان کا جز ہونا چاہئے تھی، کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بدء الوحی کے بعد کتاب الایمان قائم فرمائی ہے اور اس میں ایمانیات کو بیان فرمایا ہے، بظاہر اس کتاب کو کتاب الایمان کا جزء ہونا چاہئے تھا لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عجیب ترتیب رکھی ہے کہ کتاب الایمان کو بالکل شروع میں لے کر آئے ہیں اور کتاب التوحید کو سب سے آخر میں ذکر کیا ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے اور یہ وجہ شارحین کی طرف سے بیان بھی کی گئی ہے کہ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ایک مؤمن کی ایمانی زندگی کا آغاز بھی کلمہ توحید سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بچہ جو بھی پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے جس میں یہ کلمات ہوتے ہیں :

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

یہ ایمان کا پہلا بیج ہے جو اسکے قلب میں اتارا جاتا ہے، اس طرح ایک مؤمن کی زندگی کا آغاز بھی کلمہ توحید یعنی لا الہ الا اللہ سے ہوتا ہے اور اس کی زندگی کی انتہا بھی کلمہ توحید لا الہ الا اللہ پر ہوتی ہے اور یہ جو حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ :

من کان آخر کلامه لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دخل الجنة

جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا، اس سے مراد صرف لا الہ الا اللہ کا کلمہ ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ کلمہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہو، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلمہ لا الہ الا اللہ نہیں تھا بلکہ :

اللّٰھم الرفیق الاعلی

تھا، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا آخری کلام اسی لا الہ الا اللہ کو قرار دیا اور اس لئے کتاب التوحید بالکل آخر میں لائے۔

لیکن اس کی ایک وجہ اور بھی ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ کتاب التوحید میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایمانیات کے سلبی پہلو کو ذکر فرمایا ہے یعنی جن لوگوں نے ایمان کی تشریح میں غلط اور گمراہی کے راستے اختیار کئے تھے اور صحیح راستے سے ہٹ گئے تھے ان فرقوں کی تردید اس کتاب میں کی گئی ہے، اسی لئے اس کتاب کا دوسرا نام ''کتاب الرد علی الجہمیہ'' بھی ہے، تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باطل فرقوں کی تردید کے لئے کتاب التوحید آخر میں لائے ہیں اور اسی پر اپنی کتاب ختم کی ہے، اس سے کچھ یہ خیال ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الایمان سے لے کر کتاب

الاعتصام بالکتاب والسنۃ تک پوری کتاب میں دین کا پورا خلاصہ نبی کریم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی شکل میں بیان فرمادیا، اس مین ایمانیات بھی آگئے، اس میں احکام بھی آگئے، اس میں آداب بھی آگئے اس میں معاشرت اور اخلاق بھی آگئے، یہ ساری چیزیں مثبت انداز میں بیان فرمانے کے بعد پھر آخر میں باطل فرقوں کے لئے یہ کتاب قائم فرمائی۔

باطل کی تردید کا بہترین طریقہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ بکثرت یہ بات بیان فرمایا کرتے تھے کہ باطل کی تردید کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ حق کو واضح طور پر بیان کر کے اس پر عمل کر کے دکھاؤ اور جب مثبت انداز میں حق کی تبلیغ کرو گے، اور مثبت انداز میں حق پر عمل کر کے دکھاؤ گے تو اس سے باطل خود بخود مٹ جائے گا اور اس کی مثال یہ دیا کرتے تھے کہ اگر کسی جگہ اندھیرا پھیلا ہوا ہو تو اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی اندھیرے کے خلاف اٹھ لے کر اس اندھیرے کو زائل کرنے کی فکر کرے بلکہ اندھیرے کا علاج یہ ہے کہ وہاں ایک چراغ جلا دیا جائے، چراغ جلے گا تو اندھیرا خود بخود دور ہو جائے گا، تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جتنے ابواب بیان فرمائے ہیں وہ سارے کے سارے ہدایت کے چراغ ہیں، عقائد میں بھی، احکام میں بھی: معاشرت میں بھی، عبادات مین بھی، اخلاق میں بھی، الغرض زندگی کے ہر پہلو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بیان فرمادیں تو اس سے باطل نظریات کی تردید خود بخود ہوگئی، تو آخر میں نتیجہ یہ نکلا کہ یہ ساری مثبت باتیں جو بیان کی گئی ہیں

آدمی ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے، اس کے نتیجے میں باطل فرقوں اور باطل افکار کی خود بخود تردید ہوجاتی ہے، اس وجہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو سب سے آخر میں ذکر فرمایا، اور اس آخری کتاب کا عنوان "ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ" قائم فرما کر وزنِ اعمال کے سلسلے میں جو گمراہیاں بعض باطل فرقوں نے پھیلائی تھیں کہ اعمال کا وزن نہیں ہوگا، جیسا کہ معتزلہ کا خیال تھا انکی بھی تردید ہوگئی۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک معمول

لیکن اگر غور کیا جائے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مدارک یہ ہیں کہ ان کی کتاب کے اختتام پر عموماً حدیث کی تعلیم کی تکمیل ہوتی ہے اور اس باب کی آخری حدیث کو پڑھ لینے کے بعد آدمی ضابطہ کی تحصیل حدیث کی تکمیل کر لیتا ہے، اور میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) کہ امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جب یہ باب پڑھا کرتے تھے اور آخری حدیث کے درس کے بعد جب کتاب بند کرتے تھے تو طلباء سے فرماتے: کہ جا بلبین (حضرت کا یہ بے تکلفی کا انداز خطاب تھا جو طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے) جاؤ تمہیں مولوی بنا دیا، یعنی اس حدیث کے پڑھ لینے کے بعد اب تم مولوی بن گئے، اب تم عالم کہلاؤ گئے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کتاب کو یہ امتیاز عطاء فرمایا ہے کہ جب طالب علم اس کو پڑھ لیتا ہے تو پھر اس کو عالم اور مولوی سمجھا جاتا ہے اور وہ ضابطہ کی طالب علمی سے نکل کر عملی زندگی میں داخل ہوجاتا ہے، ضابطے کی طالب علمی تو درحقیقت مرتے دم تک ختم نہیں ہوتی "اطلبوا العلم من المھد الی

اللحد'' لیکن ضابطہ میں باقاعدہ درس وتدریس کے ذریعہ جو طالب علمی ہوتی ہے اس کا چونکہ اس پر اختتام ہوتا ہے، اس لئے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جاؤ آج تمہیں مولوی بنادیا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے چونکہ اس کتاب کو یہ امتیاز عطا فرمایا ہے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب بھی ایسا قائم کیا جو ایک مستقل پیغام ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام

وہ پیغام یہ ہے کہ اب تم عملی زندگی میں داخل ہورہے ہو، اس میں داخل ہوتے وقت اس بات کو فراموش نہ کرنا کہ تمہارے ایک ایک عمل اور ایک ایک قول کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں تولا جائے گا :

وان اعمال بنی آدم و قولهم یوزن

یعنی جو کلمہ تمہاری زبان سے نکلے گا، جو عمل تمہارے اعضاء وجوارح سے صادر ہوگا، ان میں سے ہر قول، ہر کلمہ، ہر عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں تولا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ :

ونضع الموازین القسط لیوم القیامة

ہم قیامت کے دن انصاف کے لئے ترازو قائم کریں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا ہے اور سورۂ زلزال میں یہ بھی فرمادیا کہ :

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ

اور آپ نے حدیث میں پڑھا ہوگا کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس آیت کریمہ کے بارے میں فرمایا کہ :

هٰذه الآية الجامعة الفاذة

یہ ایک ایسی جامع آیت ہے کہ جو منفرد ہے اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کھول کر یہ بات بیان کردی کہ تمہارے ہر ہر قول وفعل کو تولا جائے گا اور ذرّہ برابر اگر کوئی نیکی کسی نے کی ہوگی تو وہ بھی انسان دیکھ لے گا اور ذرّہ برابر اگر کوئی برائی کسی نے کی ہوگی تو اس کو بھی وہاں جاکر دیکھ لے گا۔

علمی بحثیں یہیں رہ جائیں گی

جہاں تک علمی بحثوں کا تعلق ہے کہ میزان عمل میں اعمال تولے جائیں گے؟ یا افراد تولے جائیں گے؟ یا صحیفے تولے جائیںگے؟ اور اعراض کو تولا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یہ ساری بحثیں یہیں رہ جائیں گی، ان کے بارے میں نہ تو قبر میں سوال ہوگا نہ آخرت میں سوال ہوگا لیکن اصل بات جس کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اپنی عملی زندگی میں داخل ہونے کے بعد خدا کے لئے اس بات کا ہر وقت مراقبہ رکھو کہ تمہارے اعمال اور اقوال کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں تولا جائے گا، یہی ہے وہ پیغام جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کے آخر میں ہمیں اور آپ کو دینا چاہتے ہیں۔

اعمال میں وزن کیسے پیدا ہوتا ہے؟

اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وزن اعمال کا باب آخر میں قائم کرکے یہ تعلیم دی ہے کہ اپنے اعمال میں وزن پیدا کرنے کی کوشش کرو،

تمہارے ہر عمل کا اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں وزن ہونا ضروری ہے اور اس کے لئے بزرگوں نے فرمایا کہ زبانِ حال سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمارہے ہیں کہ اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ اعمال میں وزن کیسے پیدا ہوتا ہے، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ میری کتاب کی سب سے پہلی حدیث کو دیکھ لو، سب سے پہلی حدیث یہ تھی :

انما الأعمال بالنیات و انما لامرء مانوی

کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کو وہ ملے گا جس کی اس نے نیت کی یعنی اخلاصِ عمل ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے اعمال میں وزن پیدا کرتی ہے، عمل بظاہر دیکھنے میں کتنا ہی چھوٹا سا کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ خالصۃً اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کیا گیا ہے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں اس کا وزن ہوتا ہے اور عمل خواہ کتنا بھی بڑا ہو، خدانہ کرے اگر اس میں اخلاص نہ ہو تو وہ بے وزن ہوجاتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

مجھے یاد آیا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین) انہوں نے اپنی آپ بیتی میں اپنا ایک قصہ لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ غیر منقسم ہندوستان میں ایک بہت مشہور جماعت ہوا کرتی تھی جماعت الاحرار، اس کے سربراہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب تھے جو سید الاحرار کہلاتے تھے، بڑے زبردست خطیب بھی تھے اور سیاسی میدان میں ان کی بڑی جدوجہد بھی تھی، انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد آزادی کا علَم انہوں نے اٹھایا ہوا تھا، مگر حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ پڑھنے

پڑھانے والے آدمی تھے، مظاہر العلوم میں پہلے پڑھے اور پھر وہیں پڑھانا بھی شروع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ سید الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے میری بڑی چوٹیں چلتی رہتی تھیں وہ چونکہ سیاسی آدمی تھے اور بعض حضرات جو سیاست میں خدمات انجام دیتے ہیں ان کے ذہن میں یہ بات آجاتی ہے کہ بس دین کی اصل خدمت سیاست ہی ہے، جو شخص سیاسی میدان کے اندر اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اور شریعت کے نفاذ کیلئے جدوجہد کر رہا ہے وہ تو صحیح کام کر رہا ہے اور یہ جو مدرسوں کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ قال اللہ، قال الرسول کرتے رہتے ہیں، عبارتیں پڑھتے رہتے ہیں اور تشریحات کرتے رہتے ہیں ان کی کوئی خاص وقعت ان کے دل میں نہیں ہوتی جب تک کہ وہ سیاسی میدان میں بھی کوئی کارنامہ انجام دے کر نہ دکھائیں۔

حضرت نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ میری چوٹیں ان سے اس طرح کی چلتی رہتی تھیں کہ جب دار العلوم دیوبند میں کبھی کبھار مجھے دیکھتے، تو دیکھتے ہی فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ زمین پر بوجھ ہیں، ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، یہ لوگ دین کا اصل مقصد فراموش کئے بیٹھے ہیں اور اس زمین پر بوجھ بن کر زندگی گزار رہے ہیں، تو حضرت فرماتے ہیں کہ میرا ان کو براہ راست جواب دینے کو تو دل نہیں چاہتا تھا لیکن کسی ساتھی سے کہلوا دیتا تھا کہ ان سے جا کر کہو کہ ان لوگوں کے لئے مدرسے کے اندر آنا حرام ہے، ان لوگوں کا مدرسے کی روٹی کھانا حرام ہے، یہ لیڈری کرتے پھرتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول کا پیغام پہنچانے والوں کی تنقیص کرتے ہیں تو ان کو مدرسہ کے اندر آنا ہی نہیں چاہئے، اس طرح کی چوٹیں ہوا کرتی تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ جب کبھی

ایک جگہ بیٹھ جاتے تو بیٹھ کر خوش طبعی بھی کر لیا کرتے تھے۔

فرمایا کہ بعد میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کو اللہ تعالیٰ نے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کی توفیق دی تو ایک مرتبہ وہ رائے پور جارہے تھے، رائے پور جاتے ہوئے اچانک سہارنپور سے گزرے تو مجھ سے کہا کہ دیکھو مولوی صاحب! میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں تم اس کا جواب ایک ہفتے تک سوچتے رہنا اور اس کے بعد جب میں ایک ہفتے کے بعد واپس آؤں تو جواب دینا، پوچھا کیا سوال ہے؟ سوال یہ ہے کہ یہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے جواب میں کہا کہ اس کیلئے ایک ہفتہ انتظار کی ضرورت نہیں، میں ابھی اس کا جواب دیدیتا ہوں اور آپ اس پر ایک ہفتے تک سوچتے رہنا اگر کوئی اعتراض ہو تو پھر واپس آکر مجھے بتا دینا، پوچھا کیا حقیقت ہے؟

تصوف کی حقیقت؟

فرمایا تصوف کی حقیقت ہے تصحیح نیت، تصوف کا آغاز تصحیح نیت سے ہوتا ہے اور اختتام :

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاهُ

پر ہوتا ہے، یہ جملہ میں نے ان سے کہہ دیا اور وہ چلے گئے، ایک ہفتے کے بعد واپس آئے تو آکر مجھ سے کہا دیکھو بھئی مولوی زکریا صاحب مجھے نہ تم سے محبت ہے نہ کوئی عقیدت ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ میں عرض کیا ''علی ہذا القیاس'' پھر کہا کہ باوجود محبت اور عقیدت نہ ہونے کہ تم نے جو جواب دیا تھا میں اس پر ایک ہفتہ سوچتا

رہا، پہلے جب میں نے سوال کیا تھا یہ سوچا تھا کہ اگر تم نے یہ جواب دیا تو اس پر یہ اعتراض کروں گا، یہ جواب دیا تو اس پر یہ اعتراض کروں گا لیکن تم نے ایک ایسی بات کہہ دی کہ اس پر میں پورا ہفتہ سوچتا رہا مگر کوئی اعتراض سمجھ میں نہیں آیا، میں نے کہا کہ ساری زندگی سوچتے رہو گے تب بھی اعتراض سمجھ میں نہیں آئے گا، تصوف کی حقیقت اصل میں یہی ہے کہ تصحیح نیت سے اس کا آغاز ہوتا ہے اور :

أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ

(اللہ کی بندگی کرو اس طرح جیسا تم اسکو دیکھ رہے ہو) پر اسکی تکمیل ہوتی ہے تو دو لفظوں میں حضرت نے پورے تصوف اور تزکیہ کا خلاصہ بیان فرمادیا۔

دین نام ہے زاویۂ نگاہ کے بدل لینے کا

ہمارے حضرت والا حضرت عارفی قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ارے بھئی! دین نام ہے زاویۂ نگاہ کے بدل لینے کا، ایک زاویۂ نگاہ اپنی نفسانی خواہشات کے لئے چلا آرہا تھا، اس کو بدل کر للّٰہیت کی طرف لے گئے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے اخلاص پیدا کر لیا تو بظاہر وہ عمل دنیا کا نظر آرہا تھا، وہی عمل تصحیح نیت کے ذریعے دین کا عمل بن جاتا ہے، اور اسی کے ذریعے اعمال میں وزن پیدا ہوتا ہے۔

بہرحال؛ یہاں بات آگئی ہے اسلئے اسے مکمل کردوں کہ آپ بیتی میں حضرت نے لکھا ہے کہ بعد میں مولانا حبیب الرحمن صاحب سے اچھے تعلقات ہوئے اور ان کے ساتھ محبت اور احترام کا رشتہ بھی پیدا ہوا، حضرت رائے پوری سے وہ جا کر بیعت بھی ہوئے اور فرمایا کہ میں اپنے تمام بیٹوں کو آپ کی تربیت میں دینا چاہتا ہوں۔

تو حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چند شرطیں لگائیں، ایک شرط تو یہ ہے کہ جب تک میرے پاس رہیں گے اخبار نہیں پڑھیں گے، اخبار نہ پڑھنا سیاسی آدمی کے لئے موت ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ کسی جلسے میں نہیں جائیں گے، چاہے وہ آپ کی تقریر والا جلسہ ہو یا میری تقریر والا جلسہ ہو، اس میں نہیں جائیں گے، انہوں نے بڑی خوش دلی سے ان شرطوں کو قبول کیا، اور کہا کہ میں سب شرطیں مانتا ہوں، اور پھر سب بچوں کو میری تربیت میں رکھا، اور ان بچوں نے بھی یہ شرطیں پوری کر کے دکھائیں کہ نہ اخبار پڑھا اور نہ کبھی کسی جلسہ میں شریک ہوئے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو علم اور تزکیہ کے اعتبار سے اونچا مقام عطاء فرمایا۔

خَلق حسن اور خُلقِ حسن کی وضاحت

ایک حدیث آپ نے ترمذی شریف میں پڑھی ہوگی جس میں نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :

اِنَّ اَثْقَلَ شَیْءٍ وُضِعَ فِی الْمِیْزَانِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَلْخُلُقُ الْحَسَنُ

کہ سب سے وزن دار چیز جو قیامت کے دن بندے کے ترازو میں رکھی جائے گی وہ خلق حسن ہے۔

یہاں خُلق حسن سے مراد یہ ظاہری اخلاق نہیں ہیں کہ ایک دوسرے سے ملتے ہوئے ظاہری طور پر جس کا ہم مظاہرہ کر لیتے ہیں یعنی ذرا مسکرا کر مل لیے، چاہے اندر بغض ہو، عناد ہو، حسد ہو، لیکن جب ملاقات کی تو مسکراتے ہوئے چہرے سے ملاقات کر لی اس کو عام طور سے اچھے اخلاق کہا جاتا ہے، (اور آج کی دنیا میں اس کے اوپر

کتابیں بھی چھپی ہوئی ہیں کی کس طرح لوگوں کے دلوں پر تمہارے اخلاق حسنہ کا رعب پڑے اس کے لئے کتابیں لوگوں نے چھاپ رکھی ہیں) یہ حقیقت میں خلق حسن نہیں ہے، اگر دل میں کینہ بھرا ہوا ہے، بغض بھرا ہوا ہے، حسد بھرا ہوا ہے اور کوئی شخص ظاہری اعتبار سے مسکرا کر مل رہا ہے تو یہ خُلق حسن نہیں ہے، یہ خُلق سئی ہے یہ ایک طرح کی منافقت ہے۔

خلق حسن کچھ اور ہی چیز ہے اور اس کی تھوڑی سی وضاحت یہ ہے کی انسان کے سر سے لے کر پاؤں تک مختلف اعضاء ہیں، جو مختلف کام کرتے ہیں، جیسے آنکھیں، ناک، کان، زبان، چہرہ وغیرہ، ان کا نام تو ہے خَلق اور ایک انسان کے باطن میں چھپی ہوئی صفات ہیں ان کا نام ہے خُلق، ظاہری اعضاء کا نام خَلق ہے اور باطنی خواہشات وجذبات کا نام خُلق ہے اور آپ نے یہ حدیث پڑھی ہوگی کہ جب آدمی آئینہ دیکھے تو دعا پڑھے کہ :

اَللّٰهُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَأَحْسِنْ خُلُقِيْ

اے اللہ! آپ نے میری ظاہری شکل وصورت اچھی بنائی ہے تو اے اللہ! میرے خُلق کو بھی اچھا بنا دیجئے، ظاہری حسن بھی مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ حسن ہر انسان کو حاصل ہے :

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے اندر خُلق حسن پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ کسی بھی آدمی کی ظاہری خوبصورتی اس کے اعضاء کے اعتدال اور تناسب کا

نام ہے، ایک آدمی حسین اس وقت کہلائے گا جبکہ مثلاً نہ بہت لمبا ہو نہ بہت پستہ قد ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ :

لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَغَّطِ وَ بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ

اگر کوئی آدمی معمول سے زیادہ لمبا ہے اس کے دیگر اعضاء کتنے ہی خوبصورت ہوں لیکن لمبا ہونے کی وجہ سے وہ خوبصورت نہیں کہلائے گا، اسی طرح اگر کسی کا قد بہت چھوٹا ہے تو وہ بھی خوبصورت نہیں کہلائے گا، کسی کی ناک ضرورت سے زیادہ لمبی ہوگئی ہے اور باقی اعضاء ٹھیک ہیں تو اس وجہ سے بھی اس کا حسن ختم ہو جائے گا، علیٰ ہٰذا القیاس سر سے لیکر پاؤں تک تمام اعضاء میں اعتدال ہو، تو اس کا نام ہے خَلق حسن، اسی کو خوبصورتی سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس طرح خَلق حسن اعتدال اور توازن کا نام ہے اسی طرح باطنی اخلاق میں بھی خُلق حسن اسکو کہا جائیگا کہ اس کے جذبات، خواہشات، محرکات، دواعی اعتدال اور توازن کے ساتھ ہوں ان میں افراط و تفریط نہ ہو۔

غصہ اعتدال میں ہو تو خُلق حسن ورنہ خُلق سئی

مثلاً غصہ انسان کی ایک باطنی کیفیت ہے، وہ اگر حد اعتدال سے بڑھ جائے تو یہ خُلق سئی ہے اور اگر اعتدال سے گھٹ جائے کہ جس جگہ غصہ آنا چاہئے وہاں پر بھی نہیں آرہا تو یہ بھی خُلق سئی ہے، میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ ایک صاحب کا واقعہ سنایا کرتے تھے جو بڑے اونچے درجے کے افسر تھے، انہوں نے اپنا ایک نظام زندگی بنا رکھا تھا کہ فلاں وقت سوئیں گے، فلاں وقت اٹھیں گے، فلاں وقت کھانا کھائیں

گے، فلاں وقت پانی پییں گے، فلاں وقت گھر والوں سے ملیں گے، ان سب کاموں کیلئے انہوں نے اپنا ایک نظام، بنا رکھا تھا، انہوں نے جو وقت جس کام کے لئے مقرر کیا ہوا تھا اس وقت کے بارے میں کہتے تھے کہ میں ''ضابطے'' میں اس حالت میں یہ کام کر رہا ہوں تو والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ان کے بارے میں یہ قصہ مشہور تھا کہ ایک مرتبہ صبح کو وقت مقرر سے پہلے بیدار ہو گئے مثلاً سات بجے کا وقت تھا اٹھنے کا، چھ بجے اٹھ گئے، اب اگر چہ نیند نہیں آ رہی تھی، لیکن ضابطہ میں وہ سو رہے تھے، کیونکہ ضابطہ کے لحاظ سے وہ ان کے سونے کا وقت تھا، اسی حالت میں ایک بندر آ گیا، اور ان کا ہیٹ اٹھا کر لے گیا، یہ پڑے دیکھتے رہے، پھر کپڑے اٹھا کر لے گیا، اس کو بھی دیکھتے رہے، یہاں تک کہ جب سات بج گئے تو شور مچایا ارے بھئی کوئی آدمی ہے یہاں پر؟ کہاں مر گئے سب لوگ؟ یہ بندر ہمارا ہیٹ اٹھا کر لے گیا، کپڑے اٹھا کر لے گیا، انہوں نے کہا کہ آپ کو کیسے پتا چلا کہ بندر اٹھا کر لے گیا، انہوں نے کہا کہ میں دیکھ رہا تھا، کہ بندر اٹھا کر لے جا رہا ہے، کہا تو پھر حضرت آپ نے کیوں نہ روک دیا؟ کہا کہ بے وقوف ہم اس وقت ضابطہ میں سو رہے تھے کیونکہ ضابطے میں وہ ہمارے سونے کا وقت تھا، اب یہ سارا منظر دیکھ رہے ہیں مگر انہیں غصہ ہی نہیں آ رہا، یعنی جب غصہ کا وقت تھا اس وقت تو غصہ کیا نہیں اور جب وقت ختم ہو گیا اس وقت نامناسب غصہ کرنا شروع کر دیا، غصہ جہاں آنا چاہئے وہاں نہیں آیا تو یہ اعتدال سے کم ہو گیا اور جہاں نہیں آنا چاہئے تھا وہاں آ گیا اور جتنا آنا چاہئے تھا اتنا نہیں آیا تو اعتدال سے زیادتی ہو گئی۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کے تحت، نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنت کے مطابق اور بزرگوں کی صحبت کے نتیجے میں غصہ اعتدال پر آجاتا ہے تو پھر یہ خُلق حسن بن جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی گستاخی کردی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اُسے گرا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے جب سینے پر چڑھ بیٹھے تو "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کے تحت اس نے معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تھوک دیا، جوں ہی تھوکا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو چھوڑ کر کھڑے ہوگئے، لوگوں نے پوچھا کہ حضرت اب تو اور زیادہ اس کو سزا دینی چاہئے تھی کہ اس نے ایسی حرکت کی کہ آپ کے منہ پر تھوکا، تو فرمایا کہ پہلے جو مجھے غصہ آیا تھا جس کے تحت میں نے اس کو گرایا تھا، وہ غصہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کی وجہ سے تھا، لیکن جب اس نے میرے منہ پر تھوکا تو اب اگر میں غصہ کرتا تو اپنی ذات کے لئے کرتا، اور میں اپنی ذات کے لئے غصہ کر کے انتقام لینا نہیں چاہتا، اب غصے کے معاملے میں ایک میٹر لگا ہوا ہے کہ کس جگہ غصہ درست اور کس جگہ نادرست ہے اس میں اعتدال اور توازن پیدا ہوگیا، تو یہ غصہ خُلق حسن میں تبدیل ہوگیا۔

تو نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ وزن دار چیز جو بندے کے ترازو میں رکھی جائے گی، وہ خُلق حسن ہے، خُلق حسن کا مطلب یہ ہے کہ غصہ اپنے موقع پر اعتدال کے ساتھ ہو، شہوت اپنے موقع پر اعتدال کے ساتھ ہو، اپنی عزت نفس اپنے موقع پر ہو اور اعتدال کے ساتھ ہو، اگر آگے بڑھ جائے گی تو تکبر بن جائے گی اور اگر پیچھے ہٹ جائے گی تو وہ تذلیل نفس اور کفرانِ نعمت بن جائے گی۔ تو خُلق

حسن کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے باطنی جذبات اعتدال پر آجائیں، اور اعتدال پر آنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت کی کسوٹی پر اتریں اور یہ چیز اللہ والوں کی صحبت اور ان کے آگے اپنے آپ کو پامال کرنے سے حاصل ہوتی ہے، جب آدمی کے دل میں یہ غرہ ہوتا ہے کہ میں تو عالم ہوں اور عالم ہونے کے غرہ کے نتیجے میں اس کے دل میں کبر پیدا ہوتا ہے، گھمنڈ پیدا ہوتا ہے، تو پھر وہ کسی سے اخلاق حسنہ کے حصول کے لئے رجوع نہیں کرتا، لیکن جس کے دل میں یہ فکر ہوتی ہے کہ مجھے وہ خُلق حسن حاصل ہو تو وہ کسی اللہ والے کے پاس جاتا ہے اس سے کہتا ہے کہ تم تول کر دیکھو کہ میرے یہ اخلاق حسن ہیں کہ نہیں اگر ہیں تو الحمد للہ! اگر نہیں ہیں تو اعتدال پر لانے کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔

بہر حال؛ مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے اندر وزن اعمال کی طرف توجہ دلا کر ہمیں اس طرف متوجہ کر رہے ہیں کہ اب تم نے ظاہری علم تو حاصل کر لیا اور ظاہری علم کے اندر جو کچھ تعلیمات قرآن وسنت کی تھیں وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تمہیں معلوم ہو گئیں لیکن اب فکر اس کی کرنی ہے کہ اپنے اعمال واقوال کو خود تولو کہ یہ خُلق حسن کے معیار پر پورے اترتے ہیں یا نہیں۔ اس لئے بھائی یہ بہت بڑا عظیم پیغام ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہمیں دے رہے ہیں کہ اب اپنے اخلاق کو اس معیار پر لانے کی کوشش کرو جو معیار اللہ تعالیٰ نے خُلق حسن کا تجویز کیا ہے تاکہ وہ تمہارے نامۂ اعمال میں وزن پیدا کرے اور تمہاری میزانِ عمل وزنی ہو۔

خُلق حسن کا نمونہ بن کر دکھایئے

میں نے اپنے ساتھیوں سے پہلے بھی گزارش کی تھی کہ آپ لوگ جب واپس اپنے گھروں میں یا اپنے علاقوں میں جائیں گے تو وہاں کوئی آپ سے جہمیہ کا مذہب اور

کرامیہ کا مذہب اور معتزلہ کا مذہب اور اس کی تردید نہیں پوچھے گا، ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے یا نہیں ہوتی، ایمان بسیط ہے یا مرکب ہے، شاید یہ سوال کوئی آپ سے وہاں نہیں کرے گا اور نہ اس کے بارے میں آپ سے جاننا چاہے گا، لیکن جس چیز کو جانچا جائے گا، وہ یہ ہوگا کہ آیا یہ شخص جیسا پہلے غصہ سے بھرا ہوا گیا تھا کہ جب آتا تھا تو نہ زمین کو دیکھتا تھا، نہ آسمان کو دیکھتا تھا، اور نہ اچھے کو دیکھتا تھا، نہ برے کو دیکھتا تھا، جو منہ میں آتا تھا بک دیتا تھا اور جو ہاتھ میں آتا تھا کر بیٹھتا تھا، آیا اس کی وہی کیفیت اب بھی ہے یا اس کے اندر فرق پیدا ہوا ہے؟ اور نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا کہ :

اللّٰهم اغننی بالعلم وزینی بالحلم

''کہ یا اللہ! مجھے علم سے غنا عطا فرما اور حلم کے ذریعہ میرے اندر زینت پیدا فرما''

وہ حلم جو نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت تھی وہ اس میں پیدا ہوئی یا نہیں ہوئی؟ ان چیزوں کو خاص طور پر دیکھا جائے گا۔

والدین کی خدمت کیجئے

والدین کے ساتھ جس طرح کا سلوک پہلے تھا کیا اب بھی ویسا ہی ہے؟ جس طرح پہلے والدین کی نافرمانی کر بیٹھتے تھے، والدین کی خدمت نہیں کرتے تھے، والدین کی خدمت کو اپنے لئے عار سمجھتے تھے، اب بھی والدین کی خدمت کے حوالے سے اگر آپ کا یہی اصول چلا آتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ محض ظاہری طور پر وہ علم تو حاصل ہوگیا جو ابلیس کو بھی حاصل ہے، لیکن وہ علم جس کو خلق حسن کہا جائے جو میزان عمل میں وزن پیدا کرے وہ حاصل نہیں ہوا، دنیا میں بھی، قبر میں بھی اور آخرت میں

بھی ان چیزوں کو دیکھا جائے گا، لہٰذا اب اپنے اخلاق کو اس اعتدال اور توازن پر لانے کی ضرورت ہے جس کے ذریعے ہمارے اعمال خلق حسن کے زمرے میں شامل ہوں اور خلق حسن کے زمرے میں شامل ہو کر میزان عمل میں وزن پیدا کریں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو العیاذ باللہ جیسا میرے والد ماجد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جاء حمارًا صغیرًا و رجع حمارًا کبیرًا'' کہ جب آیا تھا تو چھوٹا گدھا تھا، اور واپس لوٹا تو بڑا گدھا تھا'' یعنی پہلے عمر چھوٹی تھی اب بڑی ہوگئی تو یہ ساری باتیں اس سے نکل رہی ہیں کہ وزن اعمال ہوگا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ بنی آدم کے اعمال بھی تولے جائیں گے اور ان کے اقوال بھی تولے جائیں گے۔

بظاہر تو اس سے ان لوگوں کی تردید مقصود ہے کہ جو یہ کہتے تھے کہ انسانوں کو تولا جائے گا، یا صحائف کو تولا جائے گا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوگا، بلکہ براہِ راست اعمال ہی تولے جائیں گے، اور تمہارا قول بھی تولا جائے گا یہ بات خاص طور پر ہم جیسے طالبوں کے لئے بہت اہم ہے کیونکہ ہمیں قول سے بہت واسطہ پیش آتا ہے کیونکہ لوگوں کو ہم مسئلے قول کے ذریعے ہی بتاتے ہیں۔ وعظ اس سے کہتے ہیں، درس اس سے دیتے ہیں احقاق حق اس سے کرتے ہیں ابطال باطل اس سے کرتے ہیں تو سارا کچھ قول کے ذریعے ہو رہا ہے۔

جو بات منہ سے نکالو سو فیصد درست ہونی چاہئے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جاتے ہوئے یہ پیغام ہمیں دے رہے ہیں کہ جو بات منہ سے نکالو وہ سو فیصد درست ہونی چاہئے، وہ اعتدال کے ترازو میں تلی ہوئی ہونی

چاہئے، نہ اس میں افراط ہو نہ تفریط ہو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے منہ سے ایسا مبالغہ نکل جائے جو مبالغہ خلاف واقع کی حد تک پہنچ جائے، ایسا مبالغہ ہو جائے کہ جس میں کسی کی دل آزاری ہو جائے، ایسا مبالغہ ہو جائے کہ جس سے دوسرے کا دل ٹوٹ جائے، تم جب باہر نکلو گے تو تمہیں مسئلے بھی بتانے ہوں گے، اس وقت نپی تلی عبارت میں بتاؤ، اس میں اپنی طرف سے ایسے الفاظ شامل نہ کرو جس سے مسئلہ کچھ سے کچھ ہو جائے، اس لئے کہ یہ قول بھی تولا جائے گا، جب باطل کا ابطال کرو تو اس وقت بھی اپنے قول کو جانچ کر دیکھو کہ یہ سو فیصد درست ہے یا نہیں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ باطل کے ابطال میں تم حد سے تجاوز کر جاؤ، اور اگر حد سے تجاوز کرو گے تو وہ ابطالِ باطل نہیں ہوگا بلکہ اس سے فتنے پیدا ہوں گے۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ

میرے والد ماجد قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا تھا اور ایک ایسے موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ جب خود حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے میں نے ایک کتاب لکھی تھی اور یہ کتاب صدر ایوب خان مرحوم کے زمانے میں نافذ ہونے والے عائلی قوانین کی تردید میں تھی ایک صاحب جو بظاہر مولوی صاحب کہلاتے تھے انہوں نے ان قوانین کی تائید میں کتاب لکھی تھی، والد صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ تم اس کا جواب لکھو، میں نے جواب لکھا تقریباً ۲۰۰، ۲۵۰ صفحات کا اور نئے نئے فارغ التحصیل ہوئے تھے، ادبی عبارتیں لکھنے کا بھی بڑا شوق تھا، تو اس کے اندر میں نے بڑے طنز و تشنیع کے تیر چلائے تھے اپنی عبارت آرائی اور مضمون نگاری کا مظاہرہ کیا تھا۔

تم نے یہ کتاب کیوں لکھی؟

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو جب میں نے وہ کتاب سنائی تو پوری کتاب سننے کو بعد فرمایا کہ بھئی یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کتاب کس کے لئے لکھی ہے؟ اگر تم نے یہ کتاب اپنے ہم خیال لوگوں کے لئے لکھی ہے کہ جو تمہارے ہم خیال ہیں وہ تمہاری اس کتاب کو پڑھ کر بڑی تعریف کریں کہ واہ واہ کیسا دندان شکن جواب دیا ہے اور اس لئے لکھی ہے تا کہ لوگ تمہاری تعریف کرتے ہوئے کہیں کہ تم نے بڑا زبردست جواب دیا ہے اور تم نے ان کی بولتی بند کردی ہے تو تمہاری یہ کتاب بڑی کامیاب ہے بہت شاندار فقرے تم نے چست کئے ہیں اور بڑے ادبی انداز میں اور بڑے فصیح و بلیغ انداز میں تم نے یہ جواب لکھا ہے لہٰذا یہ تمہارا مقصد پوری طرح حاصل ہو جائے گا، جب تمہارے ہم خیال لوگ اس کو پڑھیں گے تو بہت تعریف کریں گے لیکن اگر تم نے اس لئے لکھی ہے کہ جو شخص گمراہی میں مبتلا ہے وہ اس کو پڑھ کر حق کی طرف آجائے تو تمہاری اس کتاب کی ایک دمڑی قیمت نہیں ہے اس لئے کہ تم نے پہلے ہی قدم پر ان کے اوپر طنز کر کے ان کو اپنا دشمن بنالیا اور دشمن بنا کر ان کے دل میں دفاع کا جذبہ پیدا کر دیا ہے وہ اس کتاب کو پڑھ کر یہ سوچیں گے کہ یہ تو ہماری مخالفت میں لکھی گئی ہے لہٰذا ان کے دل میں مدافعانہ جذبات پیدا ہوں گے، اس لحاظ سے تمہاری اس کتاب کی دمڑی قیمت نہیں ہے۔

ایک قادیانی کا خط

پھر حضرت والدِ ماجد قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ نے اپنا واقعہ سنایا کہ جب میں قادیانیوں

کے جواب میں کتاب ختم نبوت تالیف کی تو اس میں بھی قادیانیوں کے خلاف سخت زبان استعمال کی تھی اس طرح جیسے تم نے اس میں کی ہے، جب اس کا پہلا ایڈیشن چھپا، یا کسی رسالہ میں اس کی قسطیں شائع ہوئیں تو ایک قادیانی کا میرے پاس خط آیا اور اس نے یہ لکھا کہ آپ نے جو کتاب لکھی ہے اس کے دلائل تو بڑے مضبوط ہیں، ان دلائل کا تقاضہ تو یہ تھا کہ میں قادیانیت سے توبہ کر لیتا لیکن ساتھ ہی ایک چیز ایسی ہے جو مجھے قادیانیت سے توبہ کرنے سے روک رہی ہے، اور وہ یہ کہ آپ نے جو انداز کلام اختیار کیا ہے وہ اتنا سخت ہے اور اس میں اتنی دل آزاری ہے کہ میرے ذہن میں یہ آیا کہ اس قسم کا سخت اور دل آزار کلام اہل حق کا شیوہ نہیں ہوا کرتا، اس واسطے مجھے تردد ہو گیا کہ میں قادیانیت سے توبہ کر کے اسلام لے آؤں یا نہ لاؤں، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس خط کو پڑھ کر مجھے سخت صدمہ ہوا اور میں نے پوری کتاب پر نظرِ ثانی کی اور نظر ثانی کر کے ایسے الفاظ اس میں سے نکال دیئے اور پھر وہ کتاب دوبارہ شائع ہوئی۔

یاد رکھنے کی بات

یہ واقعہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اس موقع پر سنایا، اور فرمایا کہ یاد رکھو! کہ یہ آج کل جو فیشن چل گیا ہے کہ جب کسی کی تردید کرنی ہو تو اس تردید کے اندر سخت کلامی کی جائے، اس میں طنز کیئے جائیں لیکن یاد رکھو کہ یہ پیغمبرانہ طریقہ نہیں ہے، پیغمبروں کا طریقہ تو یہ ہے کہ ان کے مخاطبین کتنی بھی بد سے بدتر گمراہ قوم ہو، پیغام یہ دیا جاتا ہے کہ:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰهٰ : ٤٤)

یہ کون فرمار ہا ہے وہ ذات جس کے علم ازلی میں یہ بات موجود ہے کہ جس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام جار ہے ہیں اس کے مقدر میں ہدایت نہیں ہے وہ اپنی اسی گمراہی کی حالت میں غرق ہوگا پھر بھی یہ فرمایا کہ :

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰهٰ : ٤٤)

اللہ تعالیٰ فرمار ہے ہیں جن کے علم ازلی میں یہ بات موجود ہے کہ وہ نہ نصیحت قبول کرے گا، نہ اس کے دل میں خشیت پیدا ہوگی لیکن پیغام یہ دیا کہ داعی کا کام یہ ہے کہ وہ یہ امید اپنے دل میں رکھے کہ شاید اس کے دل میں خشیت آ جائے، شاید اس کے دل میں خشیت پیدا ہو جائے، لہٰذا تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر مصلح نہیں ہو سکتے اور تمہارے مخالف فرعون سے بڑھ کر گمراہ نہیں ہو سکتے لیکن جب وہاں :

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰهٰ : ٤٤)

فرمایا گیا ہے تو یہاں اس کا اطلاق بطریق اولیٰ ہوگا۔

پھر ایک جملہ فرمایا کہ جب کوئی بات منہ سے نکالو، یا قلم سے نکالو تو پہلے یہ سوچ لو کہ اس کو کسی عدالت میں ثابت کرنا ہے، اگر تمہارے پاس اس کا اس درجہ ثبوت موجود ہے کہ تم کسی عدالت میں اس کو ثابت کر سکو تب زبان سے نکالو اور قلم سے نکالو ورنہ نہ نکالو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ دنیا ہی کے اندر تم کو کسی عدالت کے اندر ثابت کرنا پڑ جائے اور اگر دنیا میں ثابت کرنا نہ پڑا تو آخرت میں تو ثابت کرنا ہی پڑے گا لہٰذا جو بات زبان سے نکالو اور قلم سے نکالو تو یہ یاد رکھو کہ اس کو تولا جائے گا اس کو تولنے سے پہلے خود

تول لو، پہلے تولو پھر بولو، اس کو تول کر دیکھو کہ آیا واقعۃً یہ بات صحیح ہے اور سو فیصد درست ہے یا نہیں " و ان اعمال بنی آدم و قولهم یوزن" .... یہ ایک پیغام عظیم ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمین

ظالم حکمران

اور دین کے احکام پر عمل

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرم
گلشن اقبال، کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

ظالم حکمران

اور

دین کے احکام پر عمل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ ، وَ اَشْهَدُاَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، وَاَشْهَدُاَنَّ سَيِّدَنَا وَ نَبِيَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْرًا۔ اما بعد : عَنْ اَبِي الْعَالِيَةِ قَالَتْ: سَاَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الصَّامِتِ، قَالَ: سَاَلْتُ خَلِيْلِيْ اَبَاذَرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقَالَ: اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوُضُوْءٍ، فَحَرَّكَ رَاْسَهٗ وَعَضَّ عَلٰى شَفَتَيْهِ، قُلْتُ: بِاَبِيْ اَنْتَ وَ اُمِّيْ، آذَيْتُ، قَالَ: لَا، وَ لٰكِنَّكَ تُدْرِكُ اُمَرَاءَ اَوْ اَئِمَّةً يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا، قُلْتُ: فَمَا تَاْمُرُنِيْ؟ قَالَ: صَلِّ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا، وَاِنْ اَدْرَكْتَ مَعَهُمْ فَصَلِّ، وَلَا تَقُوْلَنَّ: صَلَّيْتُ فَلَا اُصَلِّيْ۔

حدیث کا ترجمہ وتشریح

حضرت عبداللہ بن صامت رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے ہیں، اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے خلیل حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی سوال کیا، تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں ایک واقعہ سنایا کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وضو کا پانی لے کر حاضر ہوا۔ یعنی کسی موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرمانا چاہتے تھے، اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں آپ کے لئے وضو کا پانی لے کر آؤں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح کی خدمت کے مواقع تلاش کرتے رہا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں وضو کا پانی لے کر آپ کی خدمت میں گیا، آپ نے غیر معمولی طریقے سے اپنے سر مبارک کو حرکت دی، اور اپنے ہونٹوں کو کاٹا۔ جیسے آدمی غصہ کے وقت دانتوں سے ہونٹ کاٹتا ہے، اس طرح کاٹا، میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا میں نے آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچادی؟ یعنی آپ نے اپنے سر کو غیر معمولی جنبش دی ہے، اور اپنے ہونٹ دانتوں سے کاٹے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ میرے کسی عمل سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس بارے میں بڑے فکر مند رہتے تھے کہ کہیں ان کی ذات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ناگواری پیش نہ آئے۔ اس لئے ان کو شبہ ہوا کہ میری کسی غلط

حرکت کی وجہ سے آپ کو تکلیف تو نہیں ہوئی، اس لئے انہوں نے یہ سوال کیا۔

آئندہ پیش آنے والے واقعات کی خبر

جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا" تم سے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرکت کی وجہ بیان فرمائی، دراصل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بذریعہ وحی آئندہ پیش آنے والے کچھ واقعات بتائے گئے تھے، وہ واقعات آپ کے لئے باعث تعجب بھی تھے، اور باعث افسوس بھی تھے، لہٰذا آپ نے جو ہونٹ کاٹے، اور سر مبارک کو جنبش کی، یہ ان واقعات پر افسوس اور تعجب کے اظہار کے طور پر آپ نے یہ حرکت کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ایک تو قرآن کریم کی صورت میں آتی تھی کہ آپ پر اللہ جل جلالہ کا قرآن نازل ہوتا تھا، اور ایک وحی غیر متلو ہوتی تھی، جس میں اللہ جل شانہ کی طرف سے آپ کو یا تو کوئی ہدایت دی جاتی تھی، یا آئندہ آنے والے واقعات کی خبر دی جاتی تھی، اس وقت بظاہر اس طرح کی وحی نازل ہوئی۔

حکمران نماز کو مؤخر کریں گے

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

وَلٰکِنَّکَ تُدْرِکُ اُمَرَاءَ اَوْ اَئِمَّۃً یُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِھَا

یعنی تم آئندہ زمانے میں ایسے حکمرانوں کو پاؤ گے، یعنی میرے دنیا سے

جانے کے بعد کچھ ایسے حکمران آئیں گے جو نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کر دیا کریں گے، یعنی نماز کا جو صحیح وقت ہے، جس میں نماز پڑھنی چاہیے، اس وقت میں پڑھنے کے بجائے نماز پڑھنے میں دیر کر دیا کریں گے۔

جو حکمران، وہی امام مسجد

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی اور آپ کے بعد خلفاء راشدین میں بھی یہ سنت جاری رہی اور بعد میں بھی امراء نے اس سنت کو کافی عرصہ تک جاری رکھا کہ جو شخص ملک کا حکمران ہوتا تھا، وہی نماز کی امامت کراتا تھا، اور نماز پڑھایا کرتا تھا، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکمران بھی تھے، اور مسجد نبوی میں امامت بھی آپ ہی فرماتے تھے، آپ کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے یہ بھی یہ طریقہ جاری رکھا کہ نماز آپ ہی پڑھایا کرتے تھے، ان کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی معمول تھا کہ امامت آپ ہی کرایا کرتے تھے، ان کے بعد جو امراء آئے انہوں نے بھی یہ طریقہ جاری رکھا۔ لیکن بعض امراء ایسے تھے جو دین کی حدود کی اتنی زیادہ پابندی کرنے والے نہیں تھے، لہٰذا وہ نماز تو پڑھاتے تھے، لیکن نماز پڑھانے میں تاخیر کر دیا کرتے تھے۔

نمازوں کو مؤخر کرنے والے حکمران

یہ بات خاص طور پر حجاج بن یوسف اور زیاد بن اَبی سفیان کے بارے میں

مشہور ہے کہ یہ کوفہ کے گورنر بنائے گئے تھے، اور حجاج بن یوسف بڑے خطیب آدمی تھے، جب خطبہ دینے اور تقریر کرنے پر آتے تو بہت لمبی تقریر کرتے، شعلہ بیان قسم کا خطیب تھا، اور خطبہ میں گھنٹوں گزار دیتا، جب جمعہ کی نماز کا خطبہ دینا شروع کیا تو اتنی دیر لگا دی کہ عصر کا وقت قریب آ گیا، اور نماز میں تاخیر ہوگئی۔ بہر حال اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے امراء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم کچھ ایسے حکمرانوں کو پاؤ گے جو نمازوں کو اپنے اوقات سے مؤخر کر دیں گے، اور نمازیں پڑھنے میں دیر کر دیں گے۔

ایسے مواقع کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ ”فَمَا تَأْمُرُنِیْ“ یا رسول اللہ جب کبھی ایسا واقعہ پیش آئے تو میں کیا کروں؟ مجھے آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ نماز پڑھنے کے لئے ان کا انتظار کروں؟ یا میں اپنی نماز پڑھ لوں؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”صَلِّ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا“ کہ تم تو اپنے وقت پر نماز پڑھ لیا کرو، یعنی جب نماز کا وقت آ جائے، اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ انتظار کے نتیجے میں وقت گزر جائے گا، تو نماز اپنے وقت پر پڑھ لو۔ ”فَاِنْ اَدْرَكْتَ مَعَهُمْ فَصَلِّ“ اور بعد میں اگر تمہیں ان کے ساتھ بھی جماعت مل جائے تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لو۔ یعنی نفل کی نیت سے ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ، اور اس وقت یہ نہ کہو کہ ”صَلَّیْتُ فَلَا اُصَلِّیْ“ میں نماز پڑھ چکا ہوں، اب نماز نہیں پڑھوں گا، یہ مت کہو، بلکہ ان کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاؤ۔

مستحب وقت سے تاخیر کیا کرتے تھے

اس حدیث کی تشریح میں فقہاء کرام نے دو احتمال بیان فرمائے ہیں، ایک احتمال تو یہ بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ان حکمرانوں نے نماز پڑھنے میں دیر کر دی، لیکن دیر کرنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ نماز قضا ہوگئی، بلکہ اس نماز کا جو مستحب وقت تھا، جس میں وہ نماز پڑھنی چاہیے تھی، اس سے دیر کر دی، اور بعد میں جب انہوں نے نماز پڑھی تو اس کے وقت کے اندر ہی پڑھی، لیکن مستحب وقت کے گزر جانے کے بعد آخر وقت میں جا کر پڑھی۔ ایسے مواقع کیلئے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ حکم دیا کہ چونکہ تمہیں پتہ نہیں ہے کہ کتنی دیر کر کے نماز پڑھیں گے، کہیں نماز قضا نہ کر دیں، اس لئے تم اس کے مستحب وقت میں اپنی نماز پڑھ لو، اور ان کا انتظار نہ کرو۔

حکمران نماز قضا کر دیا کریں گے

اور بعض حضرات نے اس حدیث کی یہ تشریح کی ہے کہ وہ حکمران اپنی نماز قضا کر دیا کرتے تھے، مثلاً جیسے جمعہ کی نماز پڑھانے کے لئے آئے، اور اتنی لمبی تقریر کی، اور اتنا لمبا خطبہ دیا کہ ظہر کی نماز کا وقت نکل گیا، اور عصر کی نماز کا وقت داخل ہوگیا، ایسے مواقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ تم وقت پر اپنی نماز پڑھ لو۔

نفل کی نیت سے جماعت میں شامل ہونے کا حکم

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جب وہ لوگ اپنی نماز جماعت سے پڑھیں تو تم ان کے ساتھ شامل ہو جایا کرو، یعنی نفل کی نیت سے ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اور اس حکم پر عمل صرف ظہر کی نماز میں اور عشاء کی نماز میں ہو سکتا ہے، مثلاً ظہر کی نماز اگر کسی شخص نے کسی وجہ سے تنہا پڑھ لی، اور بعد میں جماعت کھڑی ہو گئی، تو اس شخص کو اس جماعت میں نفل کی نیت سے شامل ہو جانا چاہیے۔ یا کسی شخص نے عشاء کی نماز تنہا پڑھ لی، بعد میں جماعت کھڑی ہو گئی تو اس شخص کو نفل کی نیت سے جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے، اس لئے کہ اپنی نماز جو پڑھی تھی وہ تو فرض ادا ہو گئی، اب نفل کی نیت سے شامل ہو جائے، لہٰذا اس پر عمل صرف ظہر کی نماز اور عشاء کی نماز میں ہو سکتا ہے، فجر کی نماز میں اس لئے اس پر عمل نہیں ہو سکتا کہ جب فجر کی نماز ادا کر لی، تو اب فجر کے بعد کوئی نفلی نماز نہیں پڑھ سکتے، اس وقت نفل پڑھنا جائز نہیں، اسی طرح اگر عصر کی نماز کسی آدمی نے پڑھ لی تو اب مغرب تک کوئی نفل نماز پڑھنا آدمی کے لئے جائز نہیں ہوتا، لہٰذا اب دوبارہ اس وقت نفل کی نیت سے جماعت میں شامل نہیں ہو سکتے، اور مغرب میں اس لئے عمل نہیں کر سکتے کہ جب مغرب کی تین رکعت فرض پڑھ لیئے، تو اب دوبارہ جماعت میں اس لئے شامل نہیں ہو سکتے کہ نفل کی تین رکعت نہیں ہوتیں، یا دو رکعت ہوں گی، یا چار ہوں گی۔ لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جو عمل تلقین فرمایا اس پر عمل صرف ظہر اور عشاء کی نماز میں ہو سکتا ہے۔

نماز سے انکار مت کرو

دوسری بات جو اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، وہ یہ کہ جب جماعت کھڑی ہو جائے تو تم دوبارہ شامل ہو جاؤ، اور یہ مت کہو کہ میں نماز پڑھ چکا ہوں، اس لئے اب نہیں پڑھوں گا۔ اس کے بھی دو مطلب بیان کئے گئے ہیں، ایک مطلب تو یہ ہے کہ نماز ایسی چیز ہے کہ اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے، جب نماز پڑھنے کا موقع آجائے، چاہے نفلی ہی نماز کیوں نہ ہو تو اس سے اعراض کرنا، یا انکار کرنا یہ ایک مؤمن کا کام نہیں۔ لہٰذا اگر تم اپنے فرض پڑھ بھی چکے ہو، تو بھی جماعت میں شامل ہو جاؤ، اور یہ مت کہو کہ میں اپنی نماز پڑھ چکا ہوں، اب نہیں پڑھوں گا، یہ کہنا ایک مؤمن کے لئے اچھا نہیں ہے، بلکہ مستحب اور بہتر ہے کہ وہ جماعت میں شامل ہو جائے، اور نفل کی نیت کر لے، انشاء اللہ اس کو ثواب ملے گا۔ اس صورت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "یوں نہ کہو" یہ ارشاد استحباب والا ہے، یعنی ایسا کرنا مستحب ہے، فرض و واجب نہیں۔

ظلم سے بچنے کے لئے نماز پڑھ لو

دوسری وجہ بعض حضرات نے یہ بیان فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جو علم عطا فرمایا گیا تھا کہ آئندہ دور میں ایسے حکمران آئیں گے، جو نمازوں کو اپنے اوقات سے مؤخر کر دیں گے، ساتھ میں آپ کو یہ بھی بتلایا گیا تھا کہ یہ حکمران بڑے ظالم قسم کے لوگ ہوں گے، اور جو لوگ ان کی منشاء کے مطابق کام نہیں کریں گے،

ان سے بعض اوقات انتقام بھی لیں گے، اور ان کو سزا بھی دیں گے۔ چنانچہ حجاج بن یوسف اور زیاد بن ابی سفیان وغیرہ کے بارے میں تاریخی روایات میں ایسی باتیں موجود ہیں کہ جب کسی شخص کے بارے میں پتہ چلتا کہ یہ ہماری منشاء کے خلاف چل رہا ہے تو جس طرح کا چاہتے، ان پر ظلم کیا کرتے تھے۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب ان کی جماعت کھڑی ہو جائے تو ان سے یہ نہ کہو کہ میں اپنی نماز پڑھ چکا ہوں، اس لئے میں نماز نہیں پڑھوں گا، یہ مت کہو، اس لئے کہ اس کے نتیجے میں ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ تمہیں اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنائیں گے کہ تم نے اپنی نماز کیوں پڑھ لی، اور ہمارا انتظار کیوں نہیں کیا؟ لہٰذا ان کے ظلم سے بچنے کے لئے ان کے ساتھ نماز پڑھ لو۔

ظالم کے ظلم سے بچنے کی تدبیر کرو

اس حدیث میں یہ تلقین فرمائی گئی ہے کہ اگر ظالم حکمران ہوں، اور ان کے ظلم سے بچنے کے لئے آدمی کسی ایسی تدبیر کا انتخاب کرے جس میں کسی حرام کا ارتکاب نہ کرنا پڑتا ہو، تو ایسا کر لینا چاہیے، خواہ مخواہ اپنے آپ کو ظلم کا نشانہ بنانا اچھا نہیں، چنانچہ صحابہ کرام کا معمول بھی یہی تھا۔ جس وقت حجاج بن یوسف کا زمانہ تھا، اس زمانے میں بہت سے صحابہ کرام بھی موجود تھے، اور کوفہ اور بصرہ میں ان کی حکومت تھی، وہاں پر بہت سے صحابہ کرام کا بھی اجتماع تھا، روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی بھی جمعہ کی نماز کے

لئے بیٹھے رہا کرتے تھے، اور لمبا چوڑا خطبہ چل رہا ہے، اور نماز کا وقت گزر رہا ہے، لیکن حجاج بن یوسف خطبہ دینے میں لگا ہوا ہے، اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما چپکے سے کسی گوشہ میں جا کر نماز پڑھ لیا کرتے تھے، اور پھر بعد میں جب جماعت کھڑی ہوتی تو ان کے ساتھ بھی نماز میں شامل ہو جاتے تھے، تاکہ ان کے ظلم وستم سے بچ سکیں۔

مسلمانوں کے درمیان تلواریں چلنا گوارہ نہیں

اس وقت بہت لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ آپ کیوں ان کے خلاف بغاوت نہیں کرتے؟ یہ لوگ تو ایسے ہیں جو بہت سے کام خلاف شرع کرتے ہیں، اور نماز کے وقت بھی تاخیر کر دیتے ہیں۔ جواب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان تلواریں چلیں، اور مسلمان ایک دوسرے کو ماریں، یہ کسی طرح بھی مجھے گوارہ نہیں، اس لئے میں خاموشی سے اپنی نماز پڑھ لیتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، تم لوگ اپنے اعمال کو درست کرو، تمہارے عمال بھی درست ہو جائیں گے۔

جیسے اعمال، ویسے حکمران

ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم پر ظالم حکمران مسلط ہو جائیں، تم ان کو برا بھلا نہ کہو، ان کو گالی مت دو، بلکہ اس وقت اپنے اعمال کی اصلاح کی کوشش کرو، اس لئے کہ حکمرانوں کو مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، اور حکمرانوں کے دلوں کو سخت کرنا اور نرم کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ

قدرت میں ہے، لہٰذا بجائے اس کے کہ ان حکمرانوں کو برا بھلا کہتے رہو، تم اپنے اعمال کو درست کرو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، اپنے اعمال کی اصلاح کرو، اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو کہ یا اللہ! ان حکمرانوں کے دلوں کو ہمارے لئے نرم کر دیجئے، اور جب تمہارے اعمال درست ہوں گے، تو پھر ان شاء اللہ تمہارے اوپر حکمران بھی اچھے مقرر فرمادیں گے، فرمایا کہ یہ تمہارے حکمران تمہارے اعمال کا عکس ہیں، جیسے تم ہوگے، ویسے ہی حکمران تمہارے اوپر مسلط کئے جائیں گے، اگر تمہارے اعمال درست ہیں، اور تم اللہ تعالیٰ کو راضی کر رہے ہو، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزار رہے ہو، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر حکمران بھی ایسے مقرر فرمائیں گے، جو تمہارے حق میں نرم ہوں گے، تمہارے ساتھ اچھا معاملہ کریں گے، اور لوگوں کے ساتھ انصاف کرنے والے ہوں گے، اور اگر تم خراب ہو، تمہارے اعمال خراب ہیں، تمہارے اخلاق خراب ہیں، تمہاری معاشرت خراب ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ایسے حکمران مسلط کردے گا، جو تمہاری زندگی اجیرن کردے گا۔

عالم اسلام کی پریشانی کا حل

آج ہم سب اسی صورتحال سے دوچار ہیں، عالم اسلام کا کون سا خطہ ایسا ہے کہ جس میں صحیح عادل، انصاف کرنے والا حکمران ہو، سارا عالم اسلام ایسے حکمرانوں سے بھرا ہوا ہے، جو ظالم ہیں، جابر ہیں، یا شریعت کے خلاف کرنے والے ہیں، یا غیر مسلموں کے پٹھو ہیں، انہی کے کارندے ہیں، انہی کا کام کرنے

والے ہیں، اور پورے عالم اسلام پر مسلط ہیں، لیکن اسکا حل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ اپنا معاملہ اپنے اللہ کے ساتھ درست کرلو، گالی دینے سے کچھ نہیں ہوگا کہ ان حکمرانوں کو گالیاں دیتے رہو، ان کو برا بھلا کہتے رہو، اس سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا، اپنے اعمال واخلاق درست کرنے سے مسئلہ حل ہوگا، اور اپنے نفس کی اصلاح کرنے سے مسئلہ حل ہوگا، جب یہ کام کرلو گے تو پھر یا تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھے حکمران عطا فرمادیںگے یا انہیں حکمرانوں کے دلوں کو تمہارے حق میں نرم کردیں گے۔

ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے

آج ہم دوسرے سارے ہتھکنڈے اختیار کرنے کی فکر میں تو رہتے ہیں، مگر اپنی اصلاح کی فکر بہت کم لوگ کرتے ہیں، آج سارا عالم اسلام پریشان ہے، اور اپنی بے بسی کا احساس محسوس ہو رہا ہے کہ کافر لوگ ہم پر مسلط ہیں، وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، اور بالکل وہی صورتحال ہے جس کی پیشن گوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ ایک وقت ایسا آجائے گا کہ دنیا کی قومیں مسلمانوں کو کھانے کے لئے اس طرح ایک دوسرے کو دعوت دیں گی، جس طرح دسترخوان پر ایک شخص دوسرے شخص کو دعوت دیتا ہے کہ آؤ کھالو، وہی صورتحال آج سارے عالم اسلام میں بنی ہوئی ہے، اور اس کی وجہ سے لوگوں کے اندر مایوسی ہے، لوگوں پر بے بسی کا عالم طاری ہے، صدمہ ہے، رنج ہے، غم وغصہ ہے۔

یہ دنیا عالم اسباب ہے

لیکن یاد رکھو! کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے، اور اس میں

اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جیسے سبب اختیار کرو گے ویسے نتائج نکلیں گے، معجزات اور کرامات اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے غیر معمولی واقعات، یہ سب استثناآت ہیں، یہ اصل قانون نہیں ہے، اگر اصل قانون یہ ہوتا تو انبیاء کرام علیہم السلام کو دعوت دینے کے لئے نہ جہاد کی ضرورت پیش آتی، اور نہ کوئی اور مشقت اٹھانے کی ضرورت پیش آتی، نہ کفاران پر ظلم وستم ڈھاتے، بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لاتے، معجزہ ظاہر ہوتا اور سارے لوگ مسلمان ہو جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔

پھر جہاد کی ضرورت نہیں تھی

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تکلیفیں اٹھائیں، آپ نے بھی فاقے سہے، آپ نے بھی ظلم وستم برداشت کئے، آپ کے صحابہ کرام کے سینوں پر پتھر کی سلیں رکھی گئیں، اور کتنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بے گناہ شہید کیا گیا، اور ان پر ظلم وستم کے شکنجے کسے گئے، اور جہاد کے مواقع پر کبھی بدر کا معرکہ پیش آرہا ہے، کبھی احد کا معرکہ پیش آرہا ہے، اور کبھی حنین کا معرکہ پیش آرہا ہے، اور اس میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہو رہا ہے، آپ کے رخسار مبارک پر خود کی کڑیاں گھس رہی ہیں، آپ کے چہرے پر زخم آرہے ہیں، یہ سارے واقعات یہ بتانے کے لئے پیش آئے کہ یہ دنیا ہم نے عالم اسباب بنائی ہے، اگر صرف معجزے سے ہی سارے کام چلانے ہوتے، اور صرف خوارق عادت ہی سے سارا کام چلانا ہوتا تو پھر ان سب بکھیڑوں کی ضرورت ہی نہیں تھی، پہلے ہی

دن سب کافروں کو مسلمان کر دیا جاتا۔

کبھی قدرت کے مظاہرے بھی دکھاتے ہیں

لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے، اس عالم میں جیسے اسباب اختیار کرو گے، اللہ تعالیٰ ویسا ہی نتیجہ عطا فرمائیں گے۔ ٹھیک ہے اگر تم نے اللہ تعالیٰ کو بحیثیت مجموعی راضی کر لیا، اگر چہ تھوڑی بہت غلطیاں بھی ہوئیں تو ایسی صورت میں کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے مظاہرے بھی معجزات اور کرامتوں کی صورت میں، خوارق عادت کی صورت میں دکھاتے رہتے ہیں۔ لیکن وہ کوئی اصول نہیں، بلکہ وہ ایک استثناء ہے، قاعدہ یہی ہے کہ اس عالم اسباب میں جیسے اسباب اختیار کرو گے، ویسا ہی نتیجہ نکلے گا۔

دنیا کا دل مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے

آج عالم اسلام پر نظر دوڑا کر دیکھو، مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک عالم اسلام پھیلا ہوا ہے، اور اس طرح پھیلا ہوا ہے کہ تمام ممالک ایک ساتھ جڑے ہوئے ہیں، اگر کرۂ ارض پر نظر ڈال کر دیکھو تو دنیا کا دل مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، مسلمان ملکوں کی زنجیر اس طرح بندھی ہوئی ہے کہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلسل مسلمانوں ملکوں کا سلسلہ جڑا ہوا ہے، صرف دو غیر اسلامی ممالک درمیان میں حائل ہیں، ایک اسرائیل، اور ایک بھارت۔ آج دنیا کے اہم ترین مقامات مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں، نہر سوئز مسلمانوں کے پاس ہے، خلیج عدن مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، آبناء باسفورس ان کے قبضے میں ہے، خلیج فارس ان کے قبضے میں

ہے، اگر مسلمان اپنے وسائل کو صحیح استعمال کریں تو غیر مسلموں کی ناک میں دم کر دیں، آج اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اتنے وسائل عطا فرمائے ہیں کہ پوری تاریخ میں اتنے وسائل کبھی حاصل نہیں ہوئے۔

مسلمان آج بہتے ہوئے تنکوں کی طرح ہیں

لیکن ان تمام وسائل کے باوجود مسلمانوں کی روزانہ کیوں پٹائی ہو رہی ہے؟ وہ اس وجہ سے کہ آج مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیا ہے، اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے سے روگردانی میں مبتلا ہیں، دیکھنے میں آج مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن آج مسلمانوں پر وہی بات صادق آ رہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ :

وَ لٰكِنَّهُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ

یعنی مسلمان ایسے ہوں گے جیسے سیلاب میں بہتے ہوئے تنکے، جن کی اپنی کوئی طاقت نہیں ہوتی، کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑا ہوا ہے۔

صرف نماز کی حد تک مسلمان ہیں

آپ کہیں گے کہ ہم نمازیں تو پڑھتے ہیں، اور مسجدیں بھی آباد ہیں، اذان بھی سنائی دیتی ہے، جمعہ کے دن بہت سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر ہماری یہ حالت کیوں ہو گئی؟ بات دراصل یہ ہے کہ اول تو نماز پڑھنے والے، اور عبادت کرنے والے جو ہیں، اگر ان کا تناسب پوری آبادی کے اعتبار سے دیکھا جائے کہ کتنے فیصد لوگ عبادتیں انجام دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں،

اور مسجدوں کو آباد کرتے ہیں، پورے عالم اسلام میں کتنے فیصد لوگ یہ عبادتیں انجام دیتے ہیں۔ اور پھر ایسے لوگ جو نمازیں تو ٹھیک ادا کرتے ہیں، لیکن جب بازار جاتے ہیں، اور معاملات کرتے ہیں، یا جب دوسرے لوگوں کے ساتھ معاملات اور معاشرت کرتے ہیں تو اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو پامال کردیتے ہیں، اور حلال وحرام کی فکر نہیں کرتے۔

ہر شخص حرام مال حاصل کررہا ہے

آج حرام خوری شیر مادر بن چکی ہے، ہر آدمی کا منہ کھلا ہوا ہے کہ کسی طرح حرام کھالوں، اور جس طرح بھی پیسے بن پڑے، بنالوں، چاہے وہ حلال طریقے سے ہو، یا حرام طریقے سے ہو، دھوکے سے ہو، یا فریب سے ہو، جھوٹ بول کر ہو، یا رشوت دے کر ہو، کسی بھی طریقے سے ہو، لیکن میرے پاس پیسے آنے چاہئیں۔ آج ہمارے ملک پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے اتنے وسائل دیے ہیں کہ اسکی کوئی حد وحساب نہیں، لیکن لوگ ان وسائل کو حرام طریقے سے کھارہے ہیں، اسکے نتیجے میں وہ وسائل ضائع ہورہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے، لہٰذا اگر ان بداعمالیوں کے نتیجے میں مسلمانوں کی پٹائی ہورہی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

یہ دعائیں کیسے قبول ہوں گی

لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے طالبان کے حق میں اتنی دعائیں مانگی تھیں، اور قبول نہ ہوئیں، اور عراق کے حق میں دعائیں مانگیں، وہ قبول نہ ہوئیں۔ جمعہ کی نماز کے لئے میں مسجد بیت المکرم گیا، وہاں کچھ لوگ مجھ سے ملے، اور کہنے لگے کہ ہم

نے اتنی ساری دعائیں کی تھیں، وہ کہاں چلی گئیں؟ یاد رکھئے! اگر ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں تو ایسا لگتا ہے کہ ان دعاؤں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مشرق کی طرف جا رہا ہو، اور دعا یہ کر رہا ہو کہ یا اللہ! مجھے مغرب میں پہنچا دیجئے۔ وہ دعا کیسے قبول ہوگی! آج ہم لوگوں نے راستہ تو وہ اختیار کر رکھا ہے جو ہلاکت اور بربادی کا راستہ ہے، جو تباہی کا راستہ ہے، اور دعائیں یہ مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ! ہمیں عافیت اور سلامتی دیدیجئے، بتائیے! یہ دعائیں کیسے قبول ہوں گی۔

تم اپنے حالات تبدیل کرو

ہاں! جو لوگ اخلاص کے ساتھ دعائیں مانگ رہے ہیں، اور مانگتے رہے ہیں، ان کی ایک دعا کی قبولیت تو یقینی ہے کہ انشاء اللہ ان کو ان دعاؤں پر اجر و ثواب ملے گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا، اور دعائیں کرنا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، اور اس کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ لہٰذا ان دعاؤں کا یہ فائدہ تو بیشک ان کو حاصل ہوگا۔ لیکن دنیا میں ان دعاؤں کے نتائج اسی وقت ظاہر ہوں گے جب تم اپنے حالات تبدیل کرو گے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ :

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتے، جب تک لوگ اپنے حالات خود نہ بدلیں۔ لہٰذا جب تک اپنے حالات کی اصلاح نہیں کرو گے، اور جب تک اس بات کا تہیہ نہیں کرو گے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو زہر قاتل سمجھنا

ہے، اور جب تک اس بات کا تہیہ نہیں کرو گے کہ حرام کا کوئی لقمہ پیٹ میں نہیں جائے گا، اور جب تک اس بات کا تہیہ نہیں کرو گے کہ ہم جو کچھ کریں گے وہ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے کریں گے، اس وقت تک یہ صورتحال نہیں بدل سکتی۔

مایوس ہونے کی ضرورت نہیں

بہر حال! مایوسی کی بات نہیں، اور نہ غیر معمولی صدمہ کرنے کی بات ہے، صدمہ تو بیشک ہے، لیکن اس صدمہ کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ حالات کو درست کرنے کی فکر کرنی چاہیے، اپنے حالات کا جائزہ لے کر، اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں، اور پھر اپنے حالات کو درست کریں، اپنے اخلاق کو درست کریں، اپنی معیشت کو درست کریں، اور اپنی معاشرت کو درست کریں، جب تک ہم یہ نہیں کریں گے، اس وقت تک پٹائی تو ہوگی، اسلئے کہ ہم نے اسباب ہی ایسے اختیار کر رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب پر رحم فرمائے، اور ہماری شامت اعمال کو دور فرمائے، اور ہمیں اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

ماہ ربیع الاوّل

کا کیا تقاضہ ہے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

مولانا عبدالتواب صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامع مسجد، جامعہ دارالعلوم کراچی
وقت خطاب : ۲۶ ربیع الاول
اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَرَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

ماہ ربیع الاول کا کیا تقاضہ ہے؟

پچھلے ماہ ۲۶؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے جامعہ دارالعلوم کراچی کی جامع مسجد میں ربیع الاول کی مناسبت سے بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ جسے مولانا عبدالتواب صاحب نے قلم بند فرمایا، افادۂ عام کے لئے یہ خطاب نذر قارئین ہے۔ بشکریہ البلاغ۔
ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ............................... (میمن)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّااللّٰـہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُاَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ، لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا ۔ (الاحزاب : ۲۱) اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلٰنَا الْعَظِیْمِ ،

وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَ الشَّاكِرِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! ربیع الاول کا مہینہ گزر رہا ہے، اور جب یہ مہینہ آتا ہے تو سارے ملک میں جگہ جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں محفلیں منعقد ہوتی ہیں، گلی گلی، محلّہ محلّہ جلسے ہوتے ہیں، اور اس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا بیان ہوتا ہے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا دین عطا فرمایا ہے، جس میں کسی دن کے منانے کی کوئی تعلیم نہیں دی گئی، اور اگر اسلام میں کسی کے یومِ پیدائش یا یومِ وفات منانے کا کوئی تصور ہوتا تو یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے بڑھ کر کوئی اور دن اس کا مستحق نہیں تھا، اس لئے کہ یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ جس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے وہ اس کائنات کا سب سے عظیم ترین دن تھا، اس سے زیادہ مسرت کا، اس سے زیادہ برکت کا اور اس سے زیادہ عظمت کا دن شاید کوئی اور نہ ہو، جس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں بھیجا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا دین دیا ہے جس میں رسمی مظاہروں پر کوئی زور نہیں دیا گیا، عام دنیا کی قوموں کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ اپنے بڑے بڑے لیڈروں اور بڑے بڑے رہنماؤں کے لئے کوئی دن مناتی ہیں، کسی کی پیدائش کا دن، کسی کی وفات کا دن، اس دن انہوں نے جتنا چاہا ان کا تذکرہ کرلیا، ان کی شان میں قصیدے پڑھ لئے، ان کی تعریفیں بیان کردیں لیکن اس کے بعد سارا

سال نہ ان کی تعلیمات کا کوئی ذکر ہے، نہ ان کی زندگی کا کوئی ذکر ہے، اور نہ ہی ان کے پیغامات کو پھیلانے کی کوشش ہے، بس ایک رسمی مظاہرہ سال بھر میں ایک دفعہ کرلیا اور سمجھے کہ ان کی تعلیمات کا ہم نے حق ادا کردیا۔

ہمارا دین عملی دین ہے، اور یہ ہم سے عمل کا مطالبہ کرتا ہے، اس لئے اس میں اس قسم کے دن منانے کی کوئی حیثیت ہی نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جن میں سے ایک ایک صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا فدا کار اور عاشق تھا کہ اگر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک منہ سے تھوک بھی گرتا تو وہ اسے زمین پر نہ گرنے دیتا، بلکہ اپنے ہاتھوں میں لے کر جسم پر مل لیتا، اگر کسی کے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تھوک نہ پہنچتا تو وہ دوسرے کے ہاتھ سے لے کر اپنے جسم پر مل لیتا، ایسے عاشق اور ایسے فدا کار تھے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، جن کے ادب، تعظیم اور محبت کا عالم یہ تھا کہ جنگ اُحد کے موقع پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کی طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی ہے، حضرت ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنا چاہتے ہیں کہ سارے تیر اپنے اوپر لے لوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ آنے دوں، لیکن خیال یہ ہے کہ اگر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑا ہوگیا، اور تیر اپنے سینے پر لئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہو جائے گی، عین جنگ کے موقع پر بھی یہ گوارہ نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہو، چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی طرف رُخ کر کے اور کفار کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور تیر اپنی پشت پر لیتے ہیں، یہ جانثاری اور فداکاری کے نمونے کسی اور قوم میں نہیں ملیں گے، لیکن ایسے جانثار اور فداکار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سو سال تک زندہ رہے، کسی نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش یا یوم وفات نہیں منایا، یہاں تک کہ تاریخ بھی یقینی طور پر محفوظ نہیں رکھی کہ کس تاریخ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے، عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ ۱۲؍ربیع الاول کو پیدائش ہوئی اور ۱۲؍ ہی کو وفات ہوئی، مگر تاریخی اعتبار سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی، مختلف روایتیں ہیں، کسی کے مطابق ۳؍ کو ہوئی، کسی کے مطابق ۹؍ کو ہوئی، اور کسی کے مطابق ۱۲؍ کو ہوئی، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن کسی بھی صحابی نے تاریخ یاد رکھنے کا اہتمام نہیں کیا۔

ربیع الاول کے مہینے میں اگرچہ دن منانے کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی وہ مہینہ ہے جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تاریخ کوئی بھی ہو، تین ہو، یا نو ہو، یا بارہ ہو۔

جب یہ مہینہ آتا ہے تو اس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد بہرحال تازہ ہو جاتی ہے، اور اس کی وجہ سے مختلف جگہوں پر سیرت طیبہ کی محفلیں بھی منعقد ہوتی ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ آیا ان سیرت طیبہ کی محفلوں سے ہم اور آپ کوئی فائدہ اٹھا رہے ہیں یا نہیں؟ کیا ان سیرت طیبہ کی محفلوں سے ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی آ رہی ہے یا نہیں؟ کیا ان محفلوں کے ذریعہ ہمارے دلوں میں سرکار دو عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر عمل کرنے کا کوئی جذبہ بیدار ہو رہا ہے یا نہیں؟ یہ وہ سیرت طیبہ ہے جس نے ۲۳ رسال کے مختصر عرصے میں دنیا بھر میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا، جو لوگ جنگلی تھے، وحشی تھے، جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے، ۲۳ رسال کی اس سیرت طیبہ نے ان کی زندگیوں کو نکھار کر پوری دنیا کے لئے پیشوا اور قائد بنا دیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک پہاڑ کے دامن سے گزر رہے تھے، اس وقت وہ امیر المؤمنین تھے، امیر المؤمنین کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت کے اعتبار سے تقریباً آدھی دنیا کے حکمران تھے، جو علاقہ ان کی حکومت میں ان کے زیر نگیں تھا، آج اس میں کم از کم پچاس حکومتیں قائم ہیں، اتنی بڑی ان کی حکومت تھی، اور اتنی بڑی ریاست کے حکمران اپنے ساتھیوں کے ساتھ گزر رہے ہیں، پہاڑ کے دامن میں ذرا دیر رُک گئے، اور خود اپنے آپ سے خطاب کر کے فرمایا :- قف یا ابن خطاب — اے خطاب کے بیٹے: ذرا ٹھہر اور دیکھ یہ وہ پہاڑ ہے جس کے دامن میں تو اونٹ چرایا کرتا تھا، اور تیرے پاؤں اونٹوں کے پیشاب سے تر رہتے تھے، تیری یہ اوقات تھی، اور آج تو آدھی دنیا کا حکمران بن کر لوگوں کے لئے راہنما بنا ہوا ہے، ذرا سوچ کہ تیری زندگی میں یہ عظیم انقلاب کس نے پیدا کیا ہے؟ یہ کس کا صدقہ ہے؟ پھر خود ہی جواب دیا کہ یہ صرف صدقہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا جس کے نتیجے میں (تجھ جیسا) اونٹ چرانے والا آج آدھی دنیا کا حکمران بنا ہوا ہے۔ بہر حال! ۲۳ رسال کے عرصہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسا انقلاب پیدا فرمایا، اخلاق میں انقلاب، اعمال میں انقلاب، سوچ

میں انقلاب، فکر میں انقلاب، کتنی، مدت صرف ۲۳ رسال کی مدت میں۔

آج وہی سیرت طیبہ ہمارے پاس ہے، اس کا ہم تذکرہ بھی کرتے ہیں، ایک دوسرے سے بیان بھی کرتے ہیں، لیکن ہماری زندگی میں کیوں انقلاب نہیں آتا؟ ہماری زندگیوں میں کیوں تبدیلی نہیں آتی؟ ہمارے اعمال میں، ہمارے اخلاق میں، ہماری فکر میں اور ہماری سوچ میں انقلاب کیوں نہیں آتا؟

یہ ہے ایک لمحۂ فکریہ جسکے بارے میں ہمیں سوچنا ہے، ابھی جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، اس آیت میں اس کا جواب موجود ہے، چنانچہ فرمایا:

اتنی بات کافی نہیں کہ تم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مدحیہ قصیدے پڑھ لو، نعتیں پڑھ لو، یہ بات کافی نہیں، بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو اس نیت سے پڑھو، سنو اور سناؤ کہ اس کو ہم اپنی زندگی کے لئے ایک مثال اور نمونہ سمجھیں گے، اور اس کی نقل اتارنے کی کوشش کریں گے، بہترین نمونہ ہے تمہارے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں، کیا معنی؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی گوشہ اور نمونہ ایسا نہیں ہے جو بہترین مثال نہ پیش کر رہا ہو، کیا مطلب؟ اگر تم حاکم ہو تو تمہارے لئے بہترین مثال مدینہ طیبہ کے اس حاکم کی ہے جس نے چند سالوں کے اندر جزیرۂ عرب میں اسلام کا جھنڈا لہرا دیا اور اگر تم دوست ہو تو تمہارے لئے بہترین نمونہ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دوست میں ہے (ﷺ) اگر تم شوہر ہو تو تمہارے لئے حضرت عائشہ، حضرت خدیجہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن

کے شوہر (ﷺ) کی زندگی میں نمونہ ہے کہ انکے شوہر (ﷺ) نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ اگر تم ایک تاجر ہو تو تمہارے لئے بہترین نمونہ اس محمد (ﷺ) کی حیات طیبہ میں ہے جو کہ تجارت کے لئے ملک شام گیا تھا، جس کا شریک سفر میسرہ کہتا ہے کہ ایسا شریک سفر میں نے زندگی میں نہ پہلے کبھی دیکھا، نہ بعد میں کبھی دیکھا، اگر تم مزدور ہو، ملازم یا کوئی اور پیشہ ور ہو تو تمہارے لئے بہترین نمونہ وہ مزدور ہے جو حجاز کی پہاڑیوں میں بکریاں چرایا کرتا تھا، اور اگر تم کاشت کار ہو، زراعت پیشہ ہو تو تمہارے لئے بہترین نمونہ اس کاشتکار میں ہے جس نے جرف کے مقام پر زمین میں کاشتکاری کی تھی، غرض زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بہترین نمونہ نہ چھوڑا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھیں اور اس کی نقل اتارنے کی کوشش کریں۔ جسم سے لے کر روح تک زندگی میں جتنے مواقع ہیں، اس میں ہم حیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت لینے کی کوشش کریں، اگر ہم ربیع الاول میں یہی جذبہ پیدا کرلیا کریں تو یقیناً ہماری زندگی میں انقلاب آجائے گا۔

آج میرے بزرگو! اور دوستو! میں صرف اتنی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ربیع الاول کا مہینہ ختم ہو رہا ہے، ذرا ہم اس کا جائزہ تو لے کر دیکھ لیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہم نے بہت لیا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کون سی سنت ہے جو ہم نے اپنائی؟ کبھی جائزہ لے کر دیکھا؟ کبھی گریبان

میں منہ ڈالا؟ کبھی فہرست بنائی کہ کیا کیا سنتیں ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی؟ کتنی سنتوں پر ہم نے عمل کیا اور کتنی سنتوں پر نہیں کیا؟

میں سمجھتا ہوں کہ اکثریت کا جواب نفی میں ہوگا، آج میں سب سے پہلے اپنے آپ کو، اس کے بعد آپ حضرات کو دعوت دیتا ہوں کہ خدا کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کو سمجھتے ہوئے ایک کام یہ کریں کہ اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ کیا کیا سنتیں ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں، جن پر میرا عمل نہیں ہے، ان پر آج ہی سے عمل کرنے کی کوشش کریں، اور اس کے لئے آپ کو حوالہ دوں گا اپنے شیخ عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' کا، اس میں میرے شیخ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنتیں جمع کر دی ہیں جو احادیث سے ثابت ہیں۔

صبح سے شام تک کی زندگی کے مختلف شعبوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں کیا کیا تھیں، ان کو پڑھتے جایئے، اور اپنا جائزہ لیتے جایئے، جہاں کمی ہو، اس کو پورا کرنے کی کوشش کیجئے، دیکھئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی سنتیں ایسی ہیں جن پر فوراً عمل کر لینے میں کوئی دشواری نہیں، کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا، کوئی وقت نہیں لگتا، کوئی محنت نہیں لگتی، لیکن صرف غفلت کی وجہ سے ہم نے ان کو چھوڑا ہوا ہے، ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ بیت الخلاء جاتے وقت پہلے بایاں پاؤں اندر داخل کرتے، اور نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں باہر نکالتے، اگر کوئی شخص اس کا اہتمام کرے تو کیا دشواری ہے؟ کوئی

پیسہ خرچ ہوتا ہے؟ کوئی وقت لگتا ہے؟ کوئی تکلیف نہیں ہوتی، مگر صرف دھیان کی بات ہے، ان سنتوں پر اس لئے عمل کیجئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر عمل کرتے تھے، یعنی ان اعمال پر اتباع سنت کی نیت سے عمل کریں، جس وقت آپ سنتوں پر عمل کر رہے ہوں گے تو اس وقت آپ اللہ کے محبوب ہوں گے۔

" قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ "

(آل عمران : ٣١)

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے"

اب بتایئے! کتنی عظیم سعادت صرف بے پرواہی کی وجہ سے ضائع ہو رہی ہے، مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے داخل کرو، اور نکلتے وقت بایاں پاؤں پہلے نکالو، تو اس میں کیا دشواری ہے، کیا مشقت ہے؟ مگر غفلت اور لاپرواہی ہے، جس کی وجہ سے ہم نے اس کو چھوڑا ہوا ہے، بہت سی ایسی سنتیں ہیں جن میں کوئی وقت نہیں لگتا، صرف لاپرواہی کی وجہ سے چھوٹی ہوئی ہیں، اس طرح بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ جن میں محنت کی ضرورت نہیں، بلکہ مختصر دھیان یا توجہ کی ضرورت ہے، جس سے ہمارے تمام اعمال صبح سے لے کر شام تک سنت کے سانچے میں ڈھل جائیں گے، اور ہر ہر قدم پر نیکی لکھی جائے گی۔

میرے عزیزو! اور دوستو! میری آخری گزارش ہے کہ روئے زمین میں اس وقت اتباع سنت سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں، اور اگر کوئی سنت ایسی ہو جس پر آدمی عمل

نہیں کرسکتا تو اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ! مجھے اس سنت پر عمل کرنے میں دشواری ہو رہی ہے، مجھے مشکلات پیش آرہی ہیں، میری ہمت جواب دے رہی ہے، یا اللہ! آپ ہی توفیق عطا فرما دیجئے، ہمت عطا فرما دیجئے۔ اگر یہ کام ہم کرلیں گے تو ربیع الاول کا مہینہ بڑا کامیاب گزرے گا، اور اگر سارا مہینہ گزار دیا اور عمل کچھ نہ کیا تو ربیع الاول کا مہینہ کامیاب نہ رہا، دراصل ہمیں شیطان بہکاتا رہتا ہے کہ ابھی تو عمر پڑی ہے، بعد میں عمل کرلیں گے، اس پر وہ ٹلاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ آدمی پر آخری وقت آجاتا ہے، اور پھر حسرت ہوتی ہے۔ قبل اس کے کہ وہ وقت آئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمیں تمام سنتوں پر عمل کرنے والا بنادے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

تعلیم

کا اصل مقصد کیا ہے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا بلال قاضی صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : حراء فاؤنڈیشن اسکول (جامعہ دارالعلوم کراچی)

وقت خطاب : ۱۲ر جنوری، دوپہر ایک بجے

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعلیم کا اصل مقصد

اور اس کے حصول کا طریقۂ کار

۲۹ رصفر ۱۴۳۴ھ (۱۲رجنوری ۲۰۱۳ء) کو نائب رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے حراء فاؤنڈیشن اسکول (شعبہ جامعہ دارالعلوم کراچی) میں معلمین و معلمات سے ایک راہنما خطاب فرمایا۔ اس اہم اور فکر انگیز خطاب سے سامعین نے بہت فائدہ محسوس کیا۔ جناب مولانا بلال قاضی صاحب نے قلم بند فرمایا۔ افادۂ عام کے لئے ہدیۂ قارئین ہے۔ بشکریہ البلاغ جمادی الاول ۱۴۳۴ھ.................... (میمن)

الحمد للّٰہ ربّ العلمین، و الصلٰوۃ والسّلام علیٰ رسولہِ الکریم، و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین ، و علیٰ کلِّ مَن تبِعھم باِحسانٍ الیٰ یومِ الدّین. أمّا بعد

پہلے بھی ایک دو مرتبہ یہاں حاضری ہوئی ہے اور ارادہ یہ تھا کہ آپ حضرات سے وقتاً فوقتاً ملاقات ہوتی رہے اور کچھ باتیں تازہ کی جاتی رہیں، لیکن اپنی مصروفیات اور سفروں کی وجہ سے کثرت کے ساتھ یہاں حاضری کا موقع نہیں ملا۔ اگرچہ دور رہ کر الحمدللہ آپ حضرات کے حالات سے فی الجملہ باخبر رہتا ہوں۔ لیکن براہِ راست آپ

حضرات سے ملاقات کا موقع کافی دنوں کے بعد مل رہا ہے۔ اور ایک ایسے موقع پر مل رہا ہے جب الحمدللہ ہماری اس ٹیم میں کچھ نئے حضرات بھی داخل ہوئے ہیں اور نئے داخلوں کی رجسٹریشن بھی شروع ہو چکی ہے۔

مقصد اصل میں اس حاضری اور آپ حضرات سے ملنے کا یہ ہے کہ ہم اپنے اصل مقصد کی طرف توجہ دیں اور اصل مقصد کو یاد رکھنے کی کوشش کریں۔ عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ جب کوئی کام کسی خاص مقصد کے تحت شروع کیا جاتا ہے تو شروع میں تو اس مقصد کی اہمیت دلوں میں ہوتی ہے لیکن جب اس کام میں انسان داخل ہوتا ہے اور اس کے بہت سے عملی مسائل سے واسطہ پڑتا ہے اور اس میں انسان منہمک ہوتا ہے تو بعض اوقات وہ یہ بھول جاتا ہے کہ میں کہاں سے چلا تھا اور کیوں چلا تھا۔ اس واسطے اگر ہم تھوڑے تھوڑے وقفے سے اپنے مقصدِ زندگی کو اور اپنے ادارے کے مقصد کو یاد کرتے رہیں اور اسے تازہ کرتے رہیں تو امید ہے کہ وہ جذبہ جو آگے بڑھنے کا جذبہ ہے، وہ ان شاء اللہ ٹھنڈا نہیں پڑے گا۔ اس مقصد کے تحت یہ حاضری ہوئی ہے اور اسی مقصد کے تحت پہلے بھی دو تین مرتبہ حاضر ہونے کا موقع ملا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور زندگی عطا فرمائی تو ان شاء اللہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

ادارے میں کام کرنے والے افراد کے بارے میں ہم آہنگ ہونا ضروری ہے

پہلی بات جو تازہ کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ ہم ایک ایسے ادارے مین کام کر رہے ہیں جو ایک خاص، واضح clear cut مقصد رکھتا ہے۔ یہ کوئی تجارتی ادارہ نہیں ہے۔ جس میں تعلیم کو تجارت کا ذریعہ بنایا جا رہا ہو۔ یہ محض تعلیم برائے تعلیم بھی

نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک مقصد ہے اور اس مقصد کو اگر ٹھیک سمجھا جائے اور سب لوگ جو اس میں کام کر رہے ہیں وہ اس مقصد میں شریک ہوں اور اس کو اچھی طرح سمجھیں اور اس کی صحیح اہمیت محسوس کریں، سب کے درمیان اس مقصد کے لحاظ سے ہم رنگی ہو، ہم آہنگی ہو تو پھر ادارہ ترقی کرتا ہے، اس کے اندر بہتری پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنے اصل مطلوبہ قاصد کو حاصل کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ مقصد ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو، یا تھوڑے تھوڑے وقفے سے اوجھل ہو جاتا ہو اور کسی اور مقصد کی طرف ذہن چل پڑتا ہو تو پھر ادارے کا اصل مقصود و مطلوب حاصل نہیں ہوتا۔

ادارے کا مقصد ایک اچھا مسلمان پیدا کرنا ہے

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ ادارہ اس مقصد کے تحت قائم ہوا ہے کہ یوں تو ہمارے ملک میں بہت سے تعلیمی ادارے ہیں، اسکول ہیں، اُردو میڈیم بھی ہیں، انگلش میڈیم بھی ہیں، بہت سے ادارے کام کر رہے ہیں۔ لیکن اس ادارے کا مقصد درحقیقت یہ ہے کہ تعلیم ایک اچھا انسان بننے کا ذریعہ بنے، اور ایک اچھا مسلمان بننے کا ذریعہ بنے۔ یہ ہے اصل مقصود کہ ہم اس ادارے کے ذریعے نہ صرف ایک اچھا انسان بلکہ ایک اچھا مسلمان پیدا کریں۔

انگریزی نظامِ تعلیم کا مقصد ایمان کی شمع بجھانا تھا

آپ حضرات ماشاء اللہ تعلیم یافتہ ہیں۔ آپ نے یہ ضرور پڑھا ہوگا کہ جب انگریز ہندوستان پر قابض ہوا اور اس کا پورا تسلط یہاں پر ہو گیا تو اس کے نتیجہ میں اس نے یہ دیکھا کہ مسلمان اس وقت تک قابو آنے والے نہیں جب تک ان کے ذہنوں کو

تبدیل نہ کیا جائے، ان کے دماغ نہ بدلے جائیں۔ لہٰذا اس نے شروع میں تو اسلحہ اور ہتھیاروں کے بل بوتے پر ہندوستان پر قبضہ کیا اور صرف ہتھیاروں ہی کے بل بوتے پر نہیں بلکہ آپ نے کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ لوگوں کے ضمیر خرید کر، غدار پیدا کر کے، غداروں کے ساتھ معاملہ کر کے، میر جعفر اور میر صادق جیسے غداروں کے ساتھ معاملہ کر کے مکروفریب کے ذریعے اس ملک پر قبضہ کیا۔ لیکن اس نے یہ دیکھا کہ سیاسی طور پر ہم اگر ان پر قابو پا بھی لیں تب بھی ان کے اندر جو شمع جل رہی ہے، آزادی کی شمع، فکری آزادی کی بھی اور سیاسی آزادی کی بھی، اس شمع کو بجھایا نہیں جاسکتا۔ لھذا اس نے یہاں آکر ہمارا نظامِ تعلیم جو عرصہ دراز سے چلا آرہا تھا اور صرف دلّی شہر کے اندر دوسو بڑے مدرسے کالج لیول کے، جن میں تمام علوم وفنون پڑھائے جاتے تھے اور ان میں اسلامی تعلیمات بھی تھیں۔ سلطان محمد تغلق کے دور میں دوسو تھے اور اس کے بعد ہوتے ہوتے ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچی تھی۔ اس نے آکر ان تعلیمی اداروں کو بند کر دیا اور ایک نیا نظامِ تعلیم ملک میں جاری کر دیا۔

لارڈ میکالے کی تقریر

اور آپ حضرات نے ضرور سنا ہوگا کہ لارڈ میکالے جو انگلینڈ کا وزیر تعلیم تھا، اس نے ہاؤس آف کامنس میں یہ تقریر کی تھی اور اس پر پوری ہاؤس آف کامنس کو قائل کیا تھا، کہ ہم انڈین کو اس وقت تک اپنا نہیں بنا سکتے جب تک ہم اپنا نظامِ تعلیم وہاں جاری نہ کریں۔ اس کی پوری رپورٹ چھپی ہوئی ہے۔ اور اس نے اس رپورٹ میں ہمارے مدارس میں پڑھائی جانے والی کتابوں کا نام لے لے کر ان کا مذاق اڑایا اور یہ

کہا کہ جب تک یہ کتابیں باقی رہیں گی اس وقت تک تم ان پر قابو نہیں پا سکتے۔ اور اسی رپورٹ میں یہ بھی کہا کہ ہمیں انڈیا میں ایسے لوگ درکار ہیں جو ہمارے اور انڈین قوم کے درمیان ایک واسطہ بن سکیں اور ان کے ذریعے ہم اپنا تسلط انڈیا کے مسلمانوں پر قائم کر سکیں۔ وہ ایسے لوگ ہوں جو اپنی چمڑی کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوں لیکن اپنے ذہن کے اعتبار سے، اپنی فکر کے اعتبار سے، اپنی سوچ کے اعتبار سے مکمل انگریز ہوں۔ یہ بالکل صریح لفظوں میں اپنے نظام تعلیم کے بارے میں کوئی لگی لپٹی کے بغیر واضح کر دیا اور آج بھی وہ رپورٹ ریکارڈ پر ہے اور اس میں یہ بات موجود ہے۔ اس سے بالکل واضح ہو رہا ہے کہ مقصد اس نظام تعلیم کا کیا تھا؟ مقصد یہ تھا کہ اس نظام تعلیم کے ذریعے ان کے دلوں میں جو ایمان کی شمع ہے اسے بجھایا جائے۔ ان کے اندر جو اپنے دین کے ساتھ محبت ہے اسے مٹایا جائے۔ ان کے اندر غیر مسلم فلسفوں اور غیر مسلم طریقوں سے اعراض ہے اسے ختم کیا جائے اور ان کو ہم اپنے کلرک بنا کر رکھیں۔ اکبر الٰہ آبادی مرحوم جو مشہور شاعر ہیں انہوں نے دو لفظوں میں سارے کھیل کو بیان کیا ہے:

توپ کھسکی پروفیسر پہنچے بسولا ہٹا تو رندا ہے

یعنی جب لکڑی کو ہٹایا جاتا ہے تو پہلے بسولے کے ذریعے اسے اکھاڑا جاتا ہے، جب وہ اکھڑ جاتی ہے اور نا ہموار ہو جاتی ہے تو پھر اس پر رندا پھیرا جاتا ہے تاکہ وہ ہموار ہو جائے۔ تو شروع میں تو توپ کے ذریعے قبضہ جمایا اور جب قبضہ مکمل ہو گیا لیکن ذہنوں کی زمین ہموار نہیں تھی، اس کے لئے انگریز نے پروفیسر بھیجے کہ وہ ایسا

نظام تعلیم انہیں پلائیں جن کے ذریعے ان کے ذہن ہمارے افکار کے لئے ہموار ہو جائیں۔ جس طرح بسولا کے ذریعے پہلے لکڑی کو کریدا جاتا ہے اور پھر لکڑی کو ہموار کرنے کے لئے رندا پھیرا جاتا ہے۔ اسی طرح بسولا تھا توپ اور اسلحہ جس کے ذریعے ان کو خاک وخون میں نہلایا گیا اس کے بعد ذہن ہموار کرنے کے لئے رندا بھیجا گیا یعنی پروفیسر پہنچے۔

اکبر الہ آبادی اس کا باربار رونا روتے رہے :

ہم تو سمجھے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

یعنی ہم تو یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ نئی تعلیم آرہی ہے یہ ہمارے لئے ایک علم فراہم کرے گی، ہمیں علوم وفنون سے آشنا کرے گی، لیکن یہ کیا خبر تھی اس کے ساتھ بے دینی بھی چلی آئے گی۔

انگریزی تعلیم کا مقصد صرف کلرک پیدا کرنا تھا

بہرحال؛ یہ ایک نظام تھا جس سے انگریز کا مقصد کوئی اچھے سائنسدان، کوئی اچھے علوم وفنون کے ماہرین پیدا کرنا نہیں تھا۔ اس کا مقصد کلرک پیدا کرنا تھا۔ جو اس کے زیر تسلط رہ کر کلرکی کا فریضہ انجام دیں۔ چنانچہ آپ دیکھیں کہ ہندوستان میں جب تک انگریز کی حکومت رہی، اس وقت تک کوئی نمایاں سائنسدان اس نظام سے نکل کر سامنے نہیں آیا۔ طب کے میدان میں کوئی ایسا شخص نہیں آیا جس نے کوئی بہت اعلیٰ صلاحیت حاصل کی ہو۔ کوئی ریاضی دان پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ مقصود ہی یہ تھا کہ وہ علوم و

فنون میں ہمارے محتاج رہیں اور ذہنیت ہماری حاصل کریں۔ اس غرض کے تحت یہ نظام تعلیم ہم پر مسلط کیا گیا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد ہمارا اصل فریضہ یہ تھا کہ ہم اپنے نظام تعلیم کو، اپنی روایات کو، اپنے تقاضوں کے مطابق از سرِ نو ترتیب دیں۔ اس طرح ترتیب دیں جس سے وہ زہر نکل جائے اور علوم وفنون اور سائنس اپنی صحیح شکل وصورت میں باقی رہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ نہیں ہوسکا، حکومتی سطح پر بہت کوششیں ہوئیں لیکن وہ کوششیں کامیاب نہیں ہوئیں۔

علم کی ذات میں خرابی نہیں ہوتی، خرابی طریقۂ تعلیم سے پیدا ہوتی ہے

بات یہ ہے کہ کسی بھی علم میں (یعنی چند بے کار علوم کے علاوہ)، کسی بھی فن میں، کسی بھی زبان میں، اپنی ذات میں کوئی خرابی اور بے دینی نہیں ہوتی۔ لیکن اس علم کو پہنچانے والے، اسے Convey کرنے والے کا کام ہوتا ہے کہ وہ اس کو کس طرح Present کرتا ہے۔ کس طرح اسے دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ اس Presentation میں وہ انسانوں کے ذہنوں میں تبدیلی پیدا کرتا ہے، اور اس سے ذہن بدلتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علوم کو ایسے present کیا ہے، مثلاً سائنس کو لے لیجئے۔ اس کے تمام شعبوں یا دیگر علوم وفنون کو لے لیجئے۔ ان سب کی Presentation انہوں نے اپنے Cirriculum کے ذریعے، ٹیکسٹ بکس کے ذریعے اور اساتذہ کے ذریعے اس طرح کی ہے کہ آدمی اس کے ذریعے مادہ پرست ہوتا جائے، مادیت اس پر چھاتی جائے، روحانیت سے دور ہوتا جائے، اور اس کے نزدیک زندگی کا اصل مقصد پیسہ کمانا، مادیت میں ترقی کرنا ہو۔ اس سے آگے وہ

سوچنے کے لئے تیار نہ ہو۔ اور مادے سے باہر کے حقائق کو وہ خرافات سمجھ کر، یا محض ایک توہم پرستی (Superstition) سمجھ کر اس کو چھوڑ دے، یا کم از کم اس کو اہمیت نہ دے۔ اگرچہ نام سے وہ یہ کہے کہ میں مانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، میں مانتا ہوں کہ مرنے کے بعد ایک زندگی آنے والی ہے، میں مانتا ہوں کہ جنت بھی اور جہنم بھی ہے۔ زبان سے ضرور کہہ دے لیکن اس کے دل میں یہ باتیں اتری ہوئی نہ ہوں۔ اس کا دل و دماغ مادے Material Benefits کی طرف چل رہا ہو، اسی میں وہ ترقی کر رہا ہو، اسی کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہوا ہو۔ چنانچہ سائنس کے علوم کو اس طرح پڑھایا جائے اور اس کا نصاب اس طرح ترتیب دیا جائے اور پڑھانے والے اس کے ذریعے طلبہ کو اس طرح پڑھائیں کہ ان کے ذہن سے یہ باتیں نکلتی جائیں اور وہ مادے کی طرف بڑھتے چلے جائیں۔ اور اگر وہی علوم ہیں لیکن انہیں کوئی صحیح طریقے سے Present کرنے والا اور پڑھانے والا ہے تو وہ اس سے پڑھنے والے کا ذہن دوسرے رخ پر لے جائے گا۔ مثلاً سائنس ہے، ایسٹرونومی ہے، اسے پڑھانے وا اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس کی ایک ایک چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کے وجود پر دلالت کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کی توحید، اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے سائنسدان، جو آسمانوں کی خبر لانے والے، وہ خدا کے وجود تک سے منکر ہو گئے۔ علامہ اقبال نے کہا کہ :

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

وہی سائنس ہے، مگر اس کو اگر پڑھانے والا اس طرح پڑھاتا کہ یہ چاند اور سورج کی گردشیں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر نشانیاں ہیں۔ سارا قرآن اس سے بھرا ہوا ہے۔ اگر اس کو حقیقت پسند نگاہ سے دیکھو گے تو تمہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کا وجود نظر آئے گا۔ انسان کا وجود سر سے پاؤں تک یہ پوری ایک کائنات ہے۔ اس کا ایک ایک عضو کائنات ہے۔ اور کس طرح اس کا میکینزم چل رہا ہے۔ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا ہے۔ اگر پڑھانے والا اس نقطہ نظر سے پڑھائے تو انسان کا بالکل نقطہ نظر ہی بدل جاتا ہے۔

بہرحال؛ نہ تو کسی علم میں بے دینی ہے، نہ کسی فن میں بے دینی ہے، نہ کسی زبان میں کوئی بے دینی ہے۔ بے دینی پیدا ہوتی ہے پڑھانے والے سے۔ بے دینی پیدا ہوتی ہے اس نصاب سے جو ان علوم وفنون کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ پاکستان بننے کے بعد اپنا نظام تعلیم اس طرح استوار کرتے، جس میں سے وہ زہر نکالتے اور جو حقیقت ہے وہ سامنے آتی، اور اس علم وفن کو حاصل کرنے والی نسل ایک مسلمان ڈاکٹر، مسلمان انجینئر، مسلمان سائنسدان بن کر ابھرتے۔ یہ تھا اصل کام کرنے کا۔ لیکن افسوس ہے کہ آج پینسٹھ سال ہوگئے ہیں اور پاکستان ابھی تک سیاست کے بازی گروں کی بازی گری سے اپنے آپ کو نجات نہیں دلا سکا۔ اس کی وجہ سے یہ نظام تعلیم ملکی سطح پر پنپ نہیں پایا۔

حراء فاؤنڈیشن اسکول کے قیام کا اصل مقصد

یہ چھوٹا سا ادارہ جو ہم نے قائم کیا ہے، یہ اس مقصد کے لئے قائم کیا ہے کہ وہ زہر جو انگریز نے اپنے مقاصد اور مفادات کو حاصل کرنے کے لئے ڈالا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ذہنی طور پر اس نے پوری قوم کو غلام بنا دیا اور ہر بات میں نگاہ اس طرف اٹھتی ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ ان کا طرز عمل کیا ہے؟ اس طرف ذہن جاتا ہے۔ تو اب الحمد للہ یہ فکر پیدا ہو رہی ہے اور بڑھ رہی ہے کہ ایسے ادارے قائم کئے جائیں جو اپنی اصل کی طرف لوٹیں اور اس زہر کو اٹھا کر پھینک دیں جو انگریز نے اس کے اندر ڈالا ہے۔ یہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم ایک طرف اپنے سب جیکٹس میں، اکیڈمی میں اعلیٰ معیار دیں، مگر یہ اعلیٰ معیار کی تعلیم انگریز کا غلام بنانے کے لئے نہیں، بلکہ ایک آزاد خود مختار اور عزتِ نفس رکھنے والا مسلمان بنانے کے لئے ہو۔ اس کے لئے اگرچہ ہم ابھی تک اس بات پر مجبور ہیں کہ ہم اپنی تالیفات یا اپنا سلیبس داخل نہیں کر پا رہے لیکن چونکہ کچھ کچھ یہ احساس دلایا جاتا رہا ہے، اس لئے نصاب کی کتابوں میں بھی کچھ فرق آیا ہے، اگرچہ وہ مطلوبہ معیار سے بہت کم ہے۔ لیکن چونکہ نصابی کتابیں اس معیار کی نہیں ہیں جیسی ہونی چاہئیں، اس لئے اب ساری ذمہ داری پڑھانے والے کی ہو جاتی ہے کہ وہ کس طرح پڑھاتا ہے؟ اور اس کے ذہن میں کس قسم کے بچے کی نشو ونما ہے، کس قسم کا بچہ وہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ہم سب کچھ اعلیٰ معیار کا پڑھائیں لیکن اس میں انسان کو غلام بنانے والا زہر نہ ہو۔

انگریزی تعلیم یافتہ افراد فکری طور پر آزاد نہیں ہو سکے

آج میری عمر ستر سال تقریباً ہوگئی ہے۔اللہ نے بہت دنیا دکھائی ہے۔ ہر طرح کے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے پہنچایا ہے،اور ہر طرح کے ماحول کے معاشرے میں، ہر طرح کے ذہنی سانچے کے لوگوں کو دیکھنے کا موقع ملا ہے۔میں آپ سے اپنے تجربہ کی بات کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے یہ تعلیم ٹھیک اسی طرح حاصل کی ہے جس طرح انگریز نے ہمارے لئے ڈھانچہ بنایا تھا، وہ فکری طور پر اپنے آپ کو آزاد نہیں کر پائے۔ اور ایک طرح سے وہ ایک (احساس کمتری)inferiority complex میں مبتلا رہے کہ ہم ان سے (کمتر)inferior ہیں اور یہ احساس انہیں غلامی کے شکنجے سے باہر نکلنے نہیں دیتا۔اگر کوئی ان کے بنائے ہوئے اصولوں، ان کے بنائے ہوئے دائروں، اوران کے بنائے ہوئے اچھے برے کے معیار سے ہٹ کر کوئی بات کہتا ہے تو کوان سن کر اچھنبا بھی ہوتا ہے،طبیعت میں اعراض بھی پیدا ہوتا ہے اور اگر کوئی خاموش رہے تو رہے، لیکن دل سے اس کے دل میں یہ بات وہی ہے جوان لوگوں نے کہی ہے۔ یہ غلامی کا ایک ماحول پیدا ہوگیا ہے۔ ہمارا مقصود یہ ہے (اللہ تعالیٰ اس کو توفیق عطاء فرمائے) کہ اس ذہنی غلامی سے ہم خود بھی نکلیں اور اپنے بچوں اور اپنی نسلوں کو بھی نکالنے کی کوشش کریں۔

اس کے لئے ہم نے ایک بہت ہی چھوٹی سی کوشش حراء فاؤنڈیشن اسکول کی شکل میں شروع کی ہے۔اس میں آپ حضرات اس مقصد میں شریک ہوکر، اس مقصد کو اپنا کر آگے چلیں اور بچوں کی تربیت کریں۔ یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اتنے بڑے ماحول

میں اگر ایک ادارہ درست ہو گیا تو اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑے گا۔ خوب سمجھ لیجئے، کہ اللہ تعالی کی سنت یہ ہے کہ جب اللہ تعالی کوئی کام لیتے ہیں تو ایک چھوٹا سا چراغ بھی تاریکی میں روشنی پیدا کر دیتا ہے اور پھر اللہ تعالی کی سنت یہ ہے کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ تو اللہ تبارک و تعالی کی رحمت سے پوری امید رکھتے ہوئے کہ اگر ہم اخلاص کے ساتھ، مقصدیت کے ساتھ، اللہ تعالی کو راضی کرنے کے لئے یہ کام کریں گے تو یہ روشنی پھیلے گی۔ اور جس غلامی کا ہم شکار ہیں، اس غلامی سے نجات حاصل ہو جائے گی، اور ہم یہ تو کہتے ہی رہتے ہیں کہ ہم پر ایسے ایسے حکمران مسلط ہیں، لیکن یہ حکمران کہاں سے آ گئے؟ وہ حکمران اسی ذہنی غلامی کے نظام سے ابھر کر آئے ہیں، اگر ان کے اندر فکری آزادی ہوتی، اگر ان میں عزت نفس ہوتی تو آج یہ ملک اس حالت کو نہ پہنچتا۔ اس لئے اگر ہم اس فکر کو لے کر چلیں تو ان شاء اللہ تعالی کامیابی ہوگی۔ ایک بات تو یہ ہوئی۔

نیت کے اثرات نتیجے پر پڑتے ہیں

دوسری بات یہ کہ انسان کے زاویۂ نگاہ کا بڑا فرق پڑتا ہے۔ یعنی اس کی سوچ کے انداز کا اس کے طرز عمل پر اور اس کے نتائج پر بڑا فرق پڑتا ہے۔ ہر مسلمان کو یہ حدیث یاد ہوتی ہے کہ:

انما الأعمال بالنیات

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ ایک ہی کام ہے اگر آپ بری نیت سے کریں تو اس کے نتائج کچھ اور ہوں گے، اور اسی کام کو اچھی نیت سے کریں تو نتائج کچھ اور ہوں گے۔ مثلاً یہی پڑھانے کا معاملہ ہے۔ اگر کوئی شخص پڑھانے کا کام اس نیت سے کرتا ہے کہ میری شہرت ہو۔ میری ناموری ہو۔ مجھے دنیا بڑا عالم سمجھے، تو نیت

بری ہے۔ کیونکہ شہرت پسندی کے لئے کوئی کام کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اگر اسکے لئے کوئی شخص کام کرے گا تو اس کا انجام دنیا میں بھی خراب اور آخرت میں بھی خراب۔ آخرت میں تو اس لئے خراب کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: من سمّع، سمع اللّٰہ بہ۔ جو شہرت چاہتا ہے اور اس غرض سے کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بدنام کرتا ہے۔ دنیا میں جو لوگ شہرت پسند ہوتے ہیں، وہ عام نگاہوں میں بھی کوئی اچھے نہیں سمجھے جاتے۔ وہ کام تو اس لئے کرتے ہیں کہ انہیں اچھا سمجھا جائے لیکن انہیں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ عربی زبان کی ایک حکیمانہ کہاوت ہے کہ جو آدمی متکبر ہوتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو۔ وہاں سے وہ ساری دنیا کو چھوٹا سمجھتا ہے۔ اور ساری دنیا اسے چھوٹا سمجھتی ہے کیونکہ انہیں بھی وہ شخص چھوٹا سا نظر آتا ہے۔ حقیقت میں متکبر کی لوگوں کے دلوں میں وقعت نہیں ہوتی، اسی طرح شہرت پسند کا بھی حال ہے۔ تو اس کا انجام دنیا میں بھی خراب اور آخرت میں بھی خراب۔ یہی پڑھانے کا کام انسان اس نیت سے کرے کہ ملازمت کر رہا ہوں، خود بھی کھاؤں گا اور بچوں کو بھی کھلاؤں گا۔ تو یہ جائز نیت ہے، ناجائز نہیں۔ لیکن ثواب کوئی نہیں۔ اسلئے کہ جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا، کیونکہ تنخواہ مل گئی، اس سے اپنا مقصد حاصل کر لیا، بات ختم ہو گئی۔ ایک دوسری نیت یہ ہو سکتی ہے کہ اس تعلیم کے ذریعے اچھے انسان اور مسلمان پیدا کریں گے، تو یہی عمل آپ کے لئے عبادت بن جائے گا، ثواب بن جائے گا، اور اس کا فائدہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہوگا۔

دیکھئے موجودہ نظام تعلیم نے ہمیں مرنے کے بعد کی زندگی سے غافل کر رکھا ہے۔ حالانکہ سب کو پتہ ہے کہ ایک دن مرنا ہے۔ کوئی انسان دنیا میں ایسا نہیں جو یہ کہے کہ مجھے موت نہیں آئے گی۔ یہ بھی سب مانتے ہیں کہ کسی بھی وقت موت آسکتی ہے، کوئی وقت متعین نہیں ہے۔ لیکن نظام تعلیم و تربیت نے ہمیں اس طرح ڈھال دیا ہے کہ جو کچھ کرنا ہے اسی دنیا کے لئے کرنا ہے۔ جس دنیا کا کچھ پتہ نہیں کہ کب ختم ہو جائے۔ آج ختم ہو جائے، کل ختم ہو جائے، ایک مہینے بعد ختم ہو جائے، ایک سال بعد ختم ہو جائے۔ ختم ہونا یقینی ہے۔ جو کچھ کرو اسی دنیا کے لئے کرو۔ یہ مزاج مادیت نے بنایا ہے۔ اس مادہ پرستی نے بنایا، جو اس نظام تعلیم نے پیدا کی ہے۔ اگر یہی تعلیم صحیح ذہنیت کے ساتھ ہوتی، تو بے شک دنیا کی ترقی بھی کرتے لیکن ساتھ ساتھ مقصود اصلی، مرنے کے بعد والی جو زندگی آنے والی ہے، جو اصلی اور جاودانی ہے، کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ جس کا فائدہ یہاں کے فائدوں سے بہت زیادہ اور جس کا نقصان یہاں کے نقصانوں سے بہت زیادہ ہے۔ اس کے لئے تیاری کرنے کا ایک جذبہ پیدا ہوتا۔ اس مادہ پرستی کی دنیا نے وہ ذہنیت ہم سے چھین لی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ ذہنیت دوبارہ واپس آئے۔ یہ ذہنیت بچوں میں پیدا ہو، طالب علموں میں پیدا ہو، بچیوں میں پیدا ہو اور پھر وہ اپنے علوم و فنون کے ساتھ ایک صحیح معنی میں مسلمان اور آزاد فکر رکھنے والے مسلمان بنیں۔ اس نیت سے اگر یہ کام کیا جائے گا تو ایک ایک لمحہ عبادت بن جائے گا۔ چاہے آپ انگریزی پڑھا رہے ہوں، چاہے حساب پڑھا رہے ہوں، چاہے سائنس پڑھا رہے ہوں، ہسٹری پڑھا رہے ہوں، کچھ بھی پڑھا

رہے ہوں۔ جو بھی پڑھا رہے ہوں گے وہ سب عبادت ہوگا۔ اس لئے کہ آپ نے پڑھانے کا مقصود درست رکھا ہے۔ بچوں کو اخلاق و کردار کی تربیت کا فائدہ نہ صرف بچوں کو پہنچے گا، بلکہ جب تک وہ بچہ اس اخلاق و کردار کا حامل رہے گا، اس کی زندگی کے تمام اعمال کا ثواب آپ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ وہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ جذبہ اور روح پیدا کر دے، کہ ہمارے بچے جو ہمارے پاس آئے ہیں، ہمیں انہیں صحیح معنی میں مسلمان اور پاکستانی بنانا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ یہ آپ کے لئے پوری عبادت ہوگی۔ اور جہاں جہاں یہ کوشش ہوتی ہے وہاں اس کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں "وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" قرآن کریم کا وعدہ ہے۔ جو ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں، ہم انہیں اپنے راستوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

یورپ کے اسلامی اسکول

ایک مرتبہ میں انگلینڈ میں تھا تو وہاں پورے انگلینڈ اور ویلز کے جتنے اسلامی اسکول تھے اس فیڈریشن کا سالانہ کنونشن تھا۔ اس میں مجھے بلایا گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ تقریباً ہزار سے زیادہ بچے حافظ ہیں۔ اور بچیوں کا مجمع ہزاروں میں تھا مجھ سے انہوں نے کہا کہ آپ ان ہزاروں بچوں میں سے کسی بھی بچے سے یہ پوچھ لیجئے کہ فلاں وقت کی کیا دعا ہوتی ہے۔ میں نے ایسی دعائیں پوچھیں جو عام طور سے بڑوں کو بھی یاد نہیں ہوتی۔ اور کسی ترتیب کے بغیر بچے کا انتخاب کیا، اور پوچھا کہ کھانا سامنے آتا ہے تو کیا دعا پڑھی جاتی ہے؟ اس نے فرفر سنا دی۔ دوسرے سے پوچھا، تیسرے

سے پوچھا۔ سب کے سب بچوں نے سنا دیں۔ پھر بچوں سے باتیں کرنے کا موقع ملا، بچوں کے سوالات سے یہ پتہ چل رہا تھا کہ انہیں یہ بات تعلیم و تربیت کے ذریعے پلادی گئی ہے کہ ہمیں ایک دن مرنا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر جواب دینا ہے۔ یہ انگلینڈ کا ماحول ہے۔ جہاں بے دینی کی انتہا ہے۔ لیکن جنہوں نے کوشش کی اللہ تعالیٰ نے انہیں نتیجہ دکھادیا۔

ابھی میں پچھلے سال وہاں تھا تو دیکھا کہ ایک لڑکیوں کا بہت بڑا اسلامی اسکول اے لیول تک پہنچا ہوا ہے۔ پورے انگلینڈ میں تعلیم کے معیار سے اس اسکول کو فرسٹ گریڈ دیا گیا اور جو نارمل عصری اسکول ہیں، جو وہاں کی حکومت کے زیر انتظام چل رہے ہیں، ان کے بارے میں حکومت نے اس اسلامی اسکول کے مہتمم کو جس کی داڑھی بھی ہے، اور عمامہ بھی پہنتے ہیں، ان سے درخواست کی کہ آپ ان تین اسکولوں کا کنٹرول سنبھالیں کیونکہ ہم سے یہ اسکول نہیں چل رہے ہیں۔ چنانچہ یہ تینوں اسکول جس میں انگریز بچے پڑھتے ہیں، اس کا انتظام ان کے حوالے کیا گیا اور اب وہ ان کے زیر انتظام کام کر رہے ہیں۔

دین اسلام کے نام سے شرمانا چھوڑ دیجئے

خدا کے لئے دین اور اسلام کے نام سے شرمانا چھوڑ دو، ایک مرتبہ دل میں یہ بٹھالو۔ یہ جو ذہنیت اس نظام تعلیم نے پیدا کر دی ہے کہ لوگ ہمیں Backward نہ سمجھ لیں، یہ نہ سمجھ لیں کہ They are reverting the clock back. جب تک یہ شرم باقی ہے کام نہیں ہوسکتا۔ لیکن جب تک ایک مرتبہ اس شرم کو

توڑ دیا، اپنی ہر ادا سے توڑ دیا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمیں اس پر فخر ہے۔ مسلمان ہونے پر فخر ہے، ہمیں اپنے اسلام پر فخر ہے، اپنے دین کے شعائر پر فخر ہے تو ساری دنیا اس کے آگے زیر ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے بڑی پیاری بات کہی تھی کہ :

ہنسے جانے سے جب تک تم ڈرو گے
زمانہ تم پہ ہنستا ہی رہے گا

جب سے ہم لوگوں کے ہنسنے سے ڈر رہے ہیں، چاروں طرف سے روز پٹائی ہو رہی ہے، ایک مرتبہ اس شرم کو توڑ دو۔ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کر دو، اپنے طریقے پر بھروسہ کر لو، اللہ تبارک وتعالیٰ پر بھروسہ کر لو، اس بات پر اپنے دل میں فخر پیدا کر لو کہ ہم الحمد للہ مسلمان ہیں۔ اور ایسا ہی مسلمان سب کو بنانا چاہتے ہیں۔ جس دن یہ شرم ٹوٹ گئی اور یہ احساس دل میں پیدا ہو گیا تو آپ کا ہر عمل، ہر قول و فعل ایک مستقل دعوت ہوگا اور اس سے ان شاء اللہ ایسی نسل پیدا ہوگی جو اس ملک کو، قوم کو، ہماری ملّت کو مطلوب ہے۔ اسی بات کی یاددہانی کے لئے آج ہم جمع ہوئے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس مقصد کو سمجھنے کی اور اسے رُو بہ عمل لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ان شاء اللہ مجھے امید ہے کہ الحمد للہ جو ساتھی، خواہ وہ مردوں میں ہوں یا خواتین میں، یہاں جمع ہیں وہ اسی جذبہ کے ساتھ آئے ہوں گے اور اس جذبہ کو برقرار رکھتے ہوئے اسے مزید ترقی دینے کی کوشش کریں گے اور بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف اسی نقطۂ نظر سے اپنی توجہ کو مرکوز رکھیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اُجالا کردے
اقبالؒ

دین

اتباع کا نام ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا سید فہیم الحسن تھانوی صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامعہ اشرفیہ، لاہور

وقت خطابت : ۱۷/ اکتوبر، بعد نماز عصر

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

دین اتباع

اور

اعمالِ ظاہرہ وباطنہ کی درستگی کا نام ہے

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم مجلس صیانۃ المسلمین کے نویں سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۸ء کو لاہور تشریف لائے، اور اسی روز بعد نماز عصر کی مجلس میں حاضرین کو اپنے مواعظ حسنہ سے نوازا۔ جسے مولانا سید فہیم الحسن تھانوی مدظلہم نے قلم بند کیا، آپ کا خطاب قارئین خطبات کے استفادے کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔ بشکریہ ماہنامہ البلاغ دار العلوم کراچی۔..... .... میمن

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا. اما بعد: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم، وصدق رسوله النبی الکریم، و نحن علی ذالك من الشاهدین و الشاکرین والحمد للّٰہ رب العٰلمین

تمہید

بزرگان محترم وبرادران عزیز! اس مجلس میں کوئی بات عرض کرتے ہوئے دل میں کچھ عجیب وغریب قسم کے جذبات محسوس ہورہے ہیں۔ الحمدللہ تقریباً ہر سال مجلس صیانۃ المسلمین کے اس ایمان افروز اجتماع میں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی ہے، جب بھی حاضری ہوئی اس غرض سے ہوئی کہ الحمدللہ اس مجلس میں اپنے بزرگوں میں سے کوئی نہ کوئی بزرگ یہاں تشریف لاتے ہیں، ان کی زیارت، خدمت، صحبت اور ارشادات وافادات سے استفادہ کا موقع ملے گا، اس مرتبہ بھی درحقیقت حاضر ہوتے ہوئے دل میں یہ طلب اور تڑپ تھی کہ ایسے اللہ والوں کا اجتماع جن کی زندگیاں اللہ جل جلالہ کی رضا کے مطابق بسر ہورہی ہیں، ان حضرات کی صحبت میں چند لمحات بھی میسر آجائیں تو یہ انسان کی بڑی عظیم سعادت ہے، اور سب بڑا داعیہ اور سب سے بڑی کشش یہ تھی کہ الحمدللہ ثم الحمدللہ ہمارے سروں پر حضرت مولانا فقیر محمد صاحب دامت برکاتہم (اس وقت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ باحیات تھے) کا سایہ موجود ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے، حضرت والا بھی یہاں تشریف فرما ہیں، اور حضرت والا کی خدمت اور صحبت میں جو لمحہ بھی میسر آجائے، حقیقت یہ ہے کہ اس نعمت کا کوئی شکر ادا نہیں ہوسکتا۔

اولیاء کی صحبت

میں نے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہ سے سنا کہ وہ جو مشہور شعر ہے کہ :

یک زمانہ صحبتے با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی اولیاء کرام میں سے کسی کی ایک لمحے کی صحبت کا میسر آ جانا سو سال کی بے ریا اطاعت سے بہتر ہے۔ والد صاحب قدس اللہ سرہ فرماتے تھے کہ بعض لوگ اس شعر کو مبالغہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس شعر میں شاعرانہ مبالغے سے کام لیا گیا ہے کہ ایک لمحے کی صحبت سو سال کی بے ریا اطاعت سے بہتر ہے، لیکن فرمایا کہ اس شعر میں مبالغے کا تو کیا سوال پیدا ہوتا، اصل حقیقت کو محتاط انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت مجدد ملت قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ اگر شاعر یوں بھی کہتا تو صحیح ہوتا کہ :

یک زمانہ صحبتے با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی اولیائے کرام کی ایک لمحہ کی صحبت سو لاکھ سال کی بے ریا اطاعت سے بھی بہتر ہے، اللہ کے ولی کی ایک لمحہ کی صحبت کا میسر آ جانا اتنی بڑی نعمت ہے۔

الامر فوق الادب

حاضری کی سب سے بڑی کشش یہ تھی کہ الحمد للہ حضرت والا یہاں تشریف فرما ہیں، ذہن میں دور دور تک یہ شائبہ بھی نہ تھا کہ اس مجلس میں مجھ ناکارہ سے کچھ کہنے کی فرمائش کی جائے گی، اول نہ تو لیاقت، نہ علم، نہ عمل۔ کہنے کے لئے جو صلاحیتیں درکار ہیں، ان سے دامن خالی، دوسرے ان بزرگانِ دین کی اور حضرت

والا کی موجودگی میں لب کشائی بڑی آزمائش معلوم ہوتی ہے، لیکن ساتھ ساتھ ہمارے بزرگوں نے ہمیں یہ سکھایا ہے، جو دین کا ایک حصہ ہے کہ "الامر فوق الادب" یعنی بڑے اگر کوئی حکم دیں تو اس کے آگے اپنی خواہش اور اپنی عقل کو بالائے طاق رکھ کر ان کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے، اور اپنے عقل کے گھوڑے نہیں دوڑانے چاہئیں۔

دین نام ہے اتباع کا

درحقیقت سارے دین کا خلاصہ یہی ہے، کیونکہ دین نام ہے اتباع کا، سر جھکا دینے کا، جو حکم آ گیا، اس کے آگے سر جھکا دیا جائے، چاہے دل چاہتا ہو، یا نہ چاہتا ہو، عقل مانتی ہو، یا نہ مانتی ہو، دل کی خواہش ہو، یا نہ ہو، اس کے آگے سر جھکا دینا یہی دین ہے، یہی اسلام ہے، اسلام کے معنی ہیں جھک جانا، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے آگے اور جسکو اپنا بڑا بنایا ہے، جس کو اپنا مقتدا بنایا ہے، اسکے حکم کے آگے جھکا دینا، یہی دین ہے، پھر عقلی گھوڑے دوڑانے کی گنجائش نہیں، یہ دین درحقیقت عشق والا دین ہے۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن
دل بدست دیگرے دادن و حیراں بودن

یعنی عشق کیا ہے؟ سن لو! عشق یہ ہے کہ محبوب کا غلام بن جانا، دل کو محبوب کے ہاتھ میں دیدینا، اور خود حیران رہنا۔

درحقیقت دین کا خلاصہ یہی ہے، اگر یہ بات ہماری اور آپ کی سمجھ میں

آ جائے تو سمجھئے کہ دین سمجھ میں آ گیا، جب حکم آ گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو پھر حکمت کا، مصلحت کا، خواہش کا، عقلی دلائل کا، حجتوں کا سوال نہیں، بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ حکم میرے پروردگار کا ہے، میرے پیغمبر کا ہے، میرے پروردگار کے پیغمبر وارث کا ہے، تو اب اس کے بعد اس میں سرتابی کی گنجائش نہیں۔

بیٹے کو قربان کرنے کا حکم

حکم آ گیا کہ بیٹے کو قربان کر دو، حکم آ گیا کہ وہ بیٹا جو امنگوں سے مرادوں سے مانگا گیا ہے، وہ بیٹا جس کے لئے دعائیں کی گئیں، اور وہ بیٹا جو اب چلنے پھرنے کے قابل ہوا ہے، اس کے بارے میں حکم آ گیا کہ اس کے گلے پر چھری پھیر دو، میری مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ذات بابرکات ہے کہ جب حکم آ گیا تو اب اس کے بعد اس بات کی گنجائش نہیں کہ کیوں قربان کروں؟ اس کی حکمت کیا ہے؟ اس کی علت کیا ہے؟ آخر اس بچے نے کیا قصور کیا ہے؟ کیا گناہ کیا ہے؟ اور یہ اتنی امنگوں اور مرادوں سے مانگا گیا تھا، تو اس کو کیوں قتل کرنے کو کہا جا رہا ہے؟ اس کے گلے پر چھری پھیرنے کو کیوں کہا جا رہا ہے؟ یہ سوال نہیں، بس حکم آ گیا تو سرتسلیم خم، یہاں تک کہ بیٹے سے بھی اس کے آزمانے کے لئے پوچھا کہ دیکھیں بیٹا کیا کہتا ہے :

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى

(الصّٰفّٰت : ۱۰۲)

یعنی اے میرے پیارے بیٹے: میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے گلے

پر چھری پھیر رہا ہوں، تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹا بھی ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا بیٹا تھا، اور وہ بیٹا جس کے صلب سے سرکار خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں، اس بیٹے نے بھی پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ ابا جان میرا قصور کیا ہے؟ اور اس حکم میں کیا حکمت ہے؟ بلکہ جواب دیا تو یہ دیا :

يَا اَبَتِ افْعَلْ مَاتُؤمَرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْشَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ

(الصّٰفّٰت : ۱۰۲)

یعنی آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے ابا جان! اسے کر گزر یئے، آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ نبی کا بیٹا پلٹ کر یہ نہیں پوچھتا کہ مصلحت کیا ہے، علت کیا ہے؟ بلکہ آپ کے پروردگار کا حکم ہے تو کر گزریئے، پھر چون وچرا کی مجال نہیں، پھر تو یہ کام کرنا ہی ہے، لہٰذا : اِفْعَلْ مَاتُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْشَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ

دین حکمتوں کے تابع نہیں

درحقیقت آج کل ہم لوگوں میں جو طرح طرح کی گمراہیاں پھیلی ہوئی ہیں، اس کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ ہم نے دین کو حکمتوں اور مصلحتوں کے تابع بنا رکھا ہے، حکمت سمجھ میں آئے گی تو دین کا حکم مانیں گے، حکمت سمجھ میں نہیں آئے گی تو اپنی عقلی تاویلیں چلائیں گے، کہیں گے کہ یہ حکم دین کا کیوں آ گیا؟ اور اس کو دین کیسے قرار دیا جائے؟ عقلی تاویلیں، عقلی حجتیں دوڑانی شروع کر دیں گے، جبکہ دین درحقیقت نام ہے سر جھکا دینے کا، اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم آ گیا تو پھر چون وچرا کی

مجال نہیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہی بات ہمارے دلوں میں بٹھادے کہ ہم در حقیقت متبع بن جائیں، اتباع اور انقیاد پیدا ہوجائے، توبس سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

حضرات صحابہ اور اتباع

حضرت حکیم الامتؒ نے ایک ملفوظ میں ارشاد فرمایا کہ حضرت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات میں نظر آتا ہے کہ جب نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہوتی تھی تو حضرات صحابہ کرام کی طرف سے شبہات نہیں ہوتے تھے، سوال تو کرلیا کہ اس کا کیا حکم ہے، لیکن شبہ، اعتراض جو آج کل ہر انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم کیوں ہے؟ اس کی کیا حکمت ہے؟ اس کی علت کیا ہے؟ یہ باتیں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کہیں نظر نہیں آئیں گی، ان کو شبہات پیدا نہیں ہوتے تھے، حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قلوب میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت کامل تھی، اور اس کے نتیجے میں اتباع وانقیاد کامل تھا، دراصل شبہات پیدا ہوتے ہیں عظمت کی کمی سے، کہ یہ حکم کیوں دیدیا گیا، جب دین کی، اللہ کی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت دل میں جاگزین ہوتو پھر شبہات پیدا نہیں ہوتے۔

بڑوں کے حکم کی تعمیل

بہرحال! بزرگوں نے ہم کو یہ سکھایا، اس واسطے باوجودیکہ بڑی شرم معلوم

ہوتی ہے، لیکن بڑوں کے تعمیل حکم کی خاطر اور تحصیل سعادت کی خاطر کچھ عرض کرنا لازمی اور فرائض میں داخل ہوگیا، تو خیال آیا کہ کیا عرض کروں؟ درحقیقت جیسا کہ حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی نے فرمایا تھا کہ :

عہد گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم؟ از گلاب

ہمارے جو بزرگ اس وقت ہمارے درمیان موجود نہیں، وہ بھی اپنی زندگی کے اندر الحمد للہ ہمارے لئے اتنا بڑا سرمایہ چھوڑ گئے، اتنی بڑی دولت چھوڑ گئے کہ اگر ہم ساری عمر اس دولت اور اس سرمائے سے ہی فائدہ اٹھاتے رہیں تو ہماری دنیا و آخرت کے لئے کافی ہے، تو خیال آیا کہ حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ کے ملفوظات میں سے کوئی ملفوظ اس انداز سے پیش کروں کہ سب سے پہلے اپنے نفس کو مخاطب کر کے آپ حضرات کو سنا دیا جائے، اس میں جو کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی تشریح کے لئے دل میں بات ڈالیں، وہ آپ کی خدمت میں عرض کر دی جائے، تو حضرت کے ایک دو ملفوظات آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، فرمایا :

ایک ملفوظ

''کچھ اعمال مامور بہا ہیں اور کچھ اعمال منہی عنہا ہیں، ظاہری بھی باطنی بھی (''مامور بہا'' کا مطلب یہ ہے کہ اس کا شریعت نے حکم دیا ہے کہ ان اعمال کو کرو، اور ''منہی عنہا'' کے معنی یہ ہیں کہ کچھ اعمال ایسے ہیں کہ جن کو کرنے سے روکا گیا ہے کہ یہ کام نہ کرو)

اعمال ظاہرہ بھی اور اعمال باطنہ بھی، ہر دو قسم میں کچھ علمی اور کچھ عملی غلطیاں ہو جاتی ہیں، مشائخ طریق طالب کے حالات اور عوارض کو سمجھ کر ان کا علاج بتا دیتے ہیں، ان پر عمل کرنا طالب کا کام ہے، اور اعانت طریق کے لئے کچھ ذکر بھی تجویز کر دیتے ہیں، اس تقریر سے طریق اور مقصود دونوں واضح ہو گئے''

حضرت والا قدس اللہ سرہ کے ملفوظات میں یہ عجیب وغریب بات نظر آتی ہے کہ مختصر سے مختصر جملہ لے لیجئے، اتنا جامع ہوگا، اتنا ہمہ گیر ہوگا کہ اگر آدمی صرف اسی کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا شروع کر دے تو اس کے لئے کافی ہے، خود بھی فرما دیا کہ اس تقریر سے طریق اور مقصود دونوں واضح ہو گئے، یعنی یہ بات واضح ہو گئی کہ مقصد کیا ہے، اور اس کے حاصل کرنے کا راستہ کیا ہے، جب یہ دونوں چیزیں معلوم ہو گئیں تو عمل کرنا آسان ہوگا۔

اعمال کی تقسیم

تشریح اس کی یہ ہے کہ یہ جو حضرت نے فرمایا کہ شریعت یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف سے انسان پر کچھ اعمال فرض کئے گئے ہیں کہ یہ کام تمہیں کرنے ہیں، اور کچھ کاموں سے روکا گیا ہے کہ یہ کام تمہیں نہیں کرنے، جو کام کرنے کے لئے کہا گیا ہے، اس کی بھی دو قسمیں ہیں، بعض اعمال ایسے ہیں جو ہمارے ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں، یعنی ہاتھ پاؤں سے، ظاہری اعضاء سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً نماز پڑھنا، ہمارے ظاہری اعضاء سے تعلق رکھتا ہے، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، یہ

سب ہمارے ظاہری اعضاء سے تعلق رکھتے ہیں، یہ اعمال ظاہرہ مامور بہا ہیں، اسی طرح کچھ اعمال جن کے کرنے کا حکم دیدیا گیا ہے، مگر ان کا ہمارے ظاہری اعضاء سے تعلق نہیں، بلکہ ان کا ہمارے باطن سے تعلق ہے، یعنی ہمارے قلب سے، ہمارے دل سے تعلق ہے۔

صبر اور شکر کا حکم

مثلاً حکم دیدیا گیا ہے کہ جب کوئی مصیبت پڑے، کوئی تکلیف پہنچے تو صبر کرو، صبر کا حکم بھی اسی طرح قرآن میں آیا ہے جس طرح نماز کا حکم آیا ہے، جس طرح "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" آیا ہے، اسی طرح "اِصْبِرُوْا" بھی آیا ہے کہ صبر کرو، صبر نہ ہاتھ سے کیا جاتا ہے، نہ پاؤں سے کیا جاتا ہے، نہ آنکھ کان سے کیا جاتا ہے، نہ منہ سے کیا جاتا ہے، نہ زبان سے کیا جاتا ہے، یہ کہاں سے ہوتا ہے؟ یہ ہوتا ہے دل سے۔ اسی طرح یہ حکم دیدیا کہ اگر کوئی خوشی کی بات پیش آئے، یا کوئی آرام، کوئی مسرت حاصل ہو تو اس پر شکر کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے شکر بھی اسی طرح فرض کیا ہے جس طرح نماز، زکوۃ، حج فرض ہے، اسی طرح شکر بھی فرض ہے، اور شکر بھی محض زبان سے ادا نہیں ہوتا، بلکہ اصلاً شکر قلب کا فعل ہے، دل کا فعل ہے، زبان سے اس کا اظہار ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ فعل قلب کا ہے، انسان کے باطن کا ہے۔

تواضع کا حکم

اسی طرح قرآن وحدیث میں حکم آیا ہے کہ انسان تواضع اختیار کرے، فرمایا ''مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ'' یعنی جو شخص اللہ (کو راضی کرنے) کے لئے تواضع

(پستی) اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرمائے گا۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ تواضع کا مطلب یہ ہے کہ انسان سر جھکا دے، یا اپنے آپ کو ناکارہ ناچیز کہہ دے، حقیقت میں تواضع اس کا نام نہیں، بلکہ تواضع درحقیقت قلب کا فعل ہے کہ دل سے انسان اپنے آپ کو کمتر سمجھے، یہ تواضع ہے، اس کا بھی حکم دیا گیا ہے، اس طرح بہت سے اعمال ایسے ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے، لیکن وہ ہمارے ظاہر سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ان کا تعلق ہمارے باطن سے ہے، ہمارے قلب سے ہے۔

اخلاص کا حکم

اسی طرح اخلاص یعنی خلوص، جو سارے اعمال کی روح ہے، کوئی عمل بغیر اخلاص کے قبول نہیں، سارے اعمال کی روح یہ ہے کہ ان میں اخلاص ہو، اللہ کی رضا کے لئے انسان کام انجام دے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کے لئے انجام دے، اپنی بڑائی پیش نظر نہ ہو، اپنی شہرت مقصود نہ ہو، نہ اپنی نام ونمود مقصود ہو، بلکہ اللہ جل جلالہ کو راضی رکھنے کے لئے انسان کام کرے، یہ ہے اخلاص، اخلاص بھی زبان سے نہیں ہوتا، ہاتھ سے نہیں ہوتا، پاؤں سے نہیں ہوتا، ظاہری اعضاء سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ انسان کے قلب کا فعل ہے، یہ قلب کے اندر ہوتا ہے، اور یہ مامور بہا ہے، اسی طرح ظاہری اعمال کے اندر بعض اعمال ایسے ہیں جن سے منع کیا گیا ہے، مثلاً یہ کہ جھوٹ نہ بولو، غیبت نہ کرو، شراب نہ پیو، کسی شخص کی دل آزاری نہ کرو، وغیرہ وغیرہ، اسی طرح کچھ اعمال قلب کے ہیں، جن سے روکا گیا ہے کہ اپنے دل میں یہ صفات پیدا نہ کرو۔

تکبر سے رکنے کا حکم

مثلاً تکبر ہے، اپنی بڑائی جتانا ہے، بڑائی کا احساس دل میں پیدا ہوتا ہے، یعنی تکبر کا، اور یہ ام الامراض یعنی تمام بیماریوں کی جڑ ہے، اس لئے کہ تمام امراض باطنہ کے سوتے تکبر سے پھوٹتے ہیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو تکبر بہت ہی ناپسند ہے، فرمایا کہ بڑائی میری چادر ہے، جو شخص اس میں میرے ساتھ منازعت کرے گا تو میں اس کو پھاڑ ڈالوں گا، اس واسطے تکبر حرام ہے، اور اسی طرح حرام ہے، جس طرح شراب پینا، جوا کھیلنا، چوری کرنا، زنا کرنا، بدکاری کرنا، اتنا ہی حرام تکبر بھی، بغض بھی، حسد بھی ہے، یہ سارے کے سارے اعمال ہیں باطن کے، اور یہ بھی اسی طرح حرام ہیں جس طرح شراب پینا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا حرام ہے، غرض شریعت نام ہے ان سب کے مجموعے کا، کوئی شخص ظاہری اعمال تو پورے انجام دے رہا ہے، روزہ رکھ رہا ہے، نماز پڑھ رہا ہے، زکوٰۃ دے رہا ہے، ذکر کر رہا ہے، تسبیح پڑھ رہا ہے، لیکن اعمال باطنہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کی اطاعت نہیں کرتا، صبر کے موقعوں پر صبر نہیں کرتا، شکر کے موقع پر شکر نہیں کرتا، اس کے قلب میں اخلاص موجود نہیں ہے، تواضع موجود نہیں ہے، اور ایثار موجود نہیں ہے، یہ اخلاق باطنہ اور اخلاق فاضلہ اس میں موجود نہیں ہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا دین ناقص اور ادھورا ہے، جیسے کوئی شخص نماز پڑھے اور روزہ نہ رکھے تو وہ دین کا متبع نہیں کہلا سکتا، اسی طرح نماز روزہ کرے، لیکن یہ اخلاق باطنہ اپنے اندر پیدا نہ کرے تو کبھی بھی اس کا دین کامل نہیں ہوسکتا، یا کوئی شخص چوری سے بچتا ہے، ڈاکے سے

بچتا ہے، جھوٹ سے بچتا ہے، غیبت سے بچتا ہے، لیکن تکبر سے نہیں بچتا، تکبر دل کے اندر موجود ہے، تو اس کا دین کبھی کامل نہیں ہوسکتا، دین اسی وقت کامل ہوگا جب ظاہری اعمال بھی درست ہوں، یعنی شریعت کے اور اللہ کے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق ہوں، اور باطنی اعمال بھی درست ہوں، قلب کی بھی اصلاح ہو۔

اعمال ظاہرہ کی درستی اعمال باطنہ پر موقوف

بلکہ میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اعمال باطنی کی درستی درحقیقت اعمال ظاہرہ کی درستی پر فوقیت رکھتی ہے، کیونکہ اگر اعمال باطنہ درست نہیں ہیں تو اعمال ظاہری بھی درست نہیں ہوں گے، مثلاً اگر اخلاص موجود نہیں اور آدمی نماز پڑھ رہا ہے، اللہ کی رضا جوئی مقصود نہیں ہے، بلکہ دکھاوا مقصود ہے، نام و نمود مقصود ہے، اس نماز کی ایک دمڑی قیمت نہیں، اس واسطے کہ حدیث میں ہے کہ ''مَنْ صَلّٰی یُرَائِی فَقَدْ اَشْرَکَ بِاللّٰہِ'' جو نماز پڑھے ریا کی خاطر، دکھاوے کے لئے، تو گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا مخلوق کو، تو وہ نماز بھی بیکار ہے، بیکار سے مراد یہ ہے کہ فقہی اعتبار سے نماز درست ہوگئی، لیکن اس پر جو ثمرہ ثواب کا مرتب ہونا ہے، وہ اخلاص کے بغیر مرتب نہیں ہوگا، اس لئے اعمال باطنہ کی اصلاح زیادہ ضروری ہے، زیادہ مقدم ہے اعمال ظاہرہ سے، پھر ایک مسئلہ یہ ہے کہ اعمال ظاہرہ کے اندر جو خرابیاں جو غلطیاں پیدا ہوتی ہیں، اس کی اصلاح کے لئے کتابیں موجود ہیں، ان کو آدمی پڑھ لے تو پتہ لگ جاتا ہے کہ نماز میں کیا غلطی

ہوئی، روزے میں کیا غلطی ہوئی، نماز پڑھنے کا طریقہ کیا ہے، روزہ رکھنے کا طریقہ کیا ہے، زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے، حج کرنے کا طریقہ کیا ہے، یہ علم کتابوں سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر آدمی ظاہری برے کاموں میں مبتلا ہے، تو خود سمجھ جائے گا کہ میں ناجائز کام کر رہا ہوں، جھوٹ بول رہا ہوں، غیبت کر رہا ہوں، ناجائز کاموں کے اندر مبتلا ہوں، تو اس کو خود احساس ہوگا۔

باطن کی بیماریوں کا علم خود نہیں ہوتا

لیکن باطن کے امراض ایسے ہیں، باطن کی بیماریاں ایسی ہیں کہ ان کا انسان کو خود پتہ نہیں لگتا، بیمار کو بسا اوقات خود پتہ نہیں لگتا کہ میں فلاں باطنی بیماری میں مبتلا ہوں، اس کا احساس نہیں ہوتا جب تک کہ کوئی صاحب نظر اس کو نہ بتائے کہ تیرے اندر کیا بیماری ہے، اس وقت تک بیماری محسوس ہی نہیں ہوتی، ساری عمر گزر گئی، سمجھ رہا ہے کہ میں ٹھیک کام کر رہا ہوں، لیکن دل میں کچھ روگ پال رکھے ہیں، تکبر کے، خود پسندی کے، عجب کے، ریا کے، ان کے بت دل میں سمائے ہوئے ہیں، اور آدمی سمجھ رہا ہے کہ میں ٹھیک چل رہا ہوں، تو دوسرا کوئی معالج صاحب نظر بتاتا ہے کہ تیرے اندر فلاں بیماری پائی جاتی ہے، اس کی اصلاح کرنی ضروری ہے، جو ظاہری بیماریاں ہیں، ان کا احساس خود بیمار کو ہو جاتا ہے مثلاً اگر مجھے بخار چڑھ رہا ہے، تو پتہ لگ جائے گا کہ بخار آ رہا ہے، لیکن تکبر ہے، اس کا پتہ بڑے بڑے صاحب نظر، بڑے بڑے اہل علم اور اہل تحقیق کو بھی نہیں لگتا، ان لوگوں کے دلوں میں تکبر سمایا ہوا ہوتا ہے، اور پتہ بھی نہیں لگتا کہ میں تکبر میں مبتلا ہوں۔

یہ تواضع کا دکھاوا ہے

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے ایک ملفوظ میں ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ گفتگو میں انکساری کی خاطر کہہ دیتے ہیں کہ میں بڑا ناچیز ہوں، ناکارہ ہوں، بڑا گناہ گار ہوں، بڑا خطا کار ہوں، اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ وہ ان الفاظ کے استعمال کرنے میں تواضع کر رہے ہیں، اپنے آپ کو کمتر قرار دے رہے ہیں، ناچیز ناکارہ کہہ رہے ہیں، تو گویا تواضع پر عمل کر رہے ہیں، لیکن حضرت نے فرمایا کہ بسا اوقات یہ الفاظ جو تواضع کے طور پر زبان سے نکال رہا ہے، حقیقت میں یہ خود ایک بڑی بیماری ہوتی ہے، حقیقت میں یہ تواضع نہیں ہوتی، تواضع کی ریا ہوتی ہے، تواضع کا دکھاوا ہوتا ہے، اور حقیقت میں تکبر ہوتا ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر کوئی پلٹ کر یہ کہہ دے کہ صاحب بالکل صحیح فرمایا آپ نے، واقعتاً آپ بہت ناچیز، ناکارہ، گناہ گار اور خطا کار انسان ہیں، اگر کوئی پلٹ کر یہ کہہ دے تو بڑا برا لگے گا، بہت ناگوار ہوگا تو معلوم ہوا کہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ سچے دل سے نہیں کہہ رہا تھا، بلکہ اس لئے کہہ رہا تھا کہ دوسرا پلٹ کر کہے کہ نہیں صاحب آپ تو بڑے عالم فاضل ہیں، آپ تو بڑے متقی پرہیز گار، بڑے نیک مقدس بزرگ ہیں، تو یہ تواضع نہ ہوئی، تواضع کی ریا ہوئی، تواضع کا دکھاوا ہوا، جو حقیقت میں تکبر تھا، تو اب بتائیے! ظاہر میں اور دیکھنے میں تو وہ شخص تواضع سے کام لے رہا ہے، لیکن حکیم الامت جانتا ہے، حکیم الامت سمجھتا ہے کہ حقیقت میں تواضع نہیں ہے، تکبر ہے، یا ریا ہے، نام نمود ہے۔

شیخ کو اپنے حالات بتلائے

غرض نفس کے امراض کا پتہ نہیں لگتا، یعنی خود بیمار کو پتہ نہیں لگتا جب تک کہ کسی معالج کی طرف رجوع نہ کرے، اور اس کے سامنے اپنے حالات نہ رکھے، اور پھر وہ جس طرح کہے اس کے مطابق عمل کرے، اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، اور عادتاً اس کے بغیر انسان کی اصلاح ہی نہیں ہوتی۔

صراط مستقیم کیا ہے

ہمارے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ نے سنا ہوگا بزرگوں سے کہ سارے قرآن کریم کا خلاصہ سورۂ فاتحہ ہے، اور سورۂ فاتحہ کا خلاصہ ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ '' ہے، کیونکہ اگر صراط مستقیم مل گئی تو سبھی کچھ مل گیا، سارا قرآن کریم صراط مستقیم کی تفصیل ہے کہ صراط مستقیم کیا ہے، اب یہ دیکھئے کہ قرآن کریم نے صراط مستقیم کی تفسیر کیا کی ہے، صراط مستقیم کیا ہے، تو صراط مستقیم کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ یہ راستہ ہے، نہ کسی کتاب کا نام نہیں لیا کہ فلاں کتاب کا راستہ، بلکہ کیا فرمایا کہ ''صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ '' کہ راستہ ان لوگوں کا جن پر اے اللہ آپ نے انعام فرمایا، آپ نے اپنی نعمت نازل فرمائی، اور وہ کون ہیں، سورۂ انعام کے اندر ان حضرات کا ذکر ہے کہ ''اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ''یعنی جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام نازل فرمایا، وہ انبیاء ہیں، وہ صدیقین ہیں، وہ شہداء ہیں، وہ صالحین ہیں، یہ حضرات ہیں جب پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام نازل فرمایا، تو بتادیا کہ

صراط مستقیم وہ راستہ ہے انبیاء کا، راستہ ہے صدیقین کا، راستہ ہے شہداء کا، راستہ ہے صالحین کا، تو اشارہ اس بات کی طرف ہوا کہ اگر صراط مستقیم حاصل کرنا چاہتے ہو تو کتابیں پڑھ کر حاصل نہیں ہوگی، بلکہ صراط مستقیم حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے، جن پر اللہ نے اپنا انعام نازل فرمایا، ان کی صحبت اختیار کرو، انکی اتباع کرو، انکے ساتھ رہ پڑو، ان کی ایک ایک ادا کو دیکھو، سمجھو اور اسکی نقل اتارنے کی کوشش کرو۔

اللہ والے کی صحبت اختیار کرو

لہٰذا شروع ہی سے جب سے اسلام آیا اس وقت سے آج تک دین کے حاصل کرنے کا راستہ اور آسان ترین راستہ اور فطری راستہ وہ ایک ہی ہے، اور وہ ہے کسی اللہ والے کی صحبت، کسی ایسے شخص کی صحبت جس نے اپنے آپ کو مٹا کر اللہ کی رضا حاصل کی ہو، ایسے شخص کی صحبت کے بغیر عادتاً اصلاح نہیں ہوتی، یعنی دین میں رسوخ حاصل نہیں ہوتا، اس وقت تک امراض ظاہرہ و باطنہ زائل نہیں ہوتے جب تک کہ اس کی صحبت حاصل نہ کرلے، آپ نے دیکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت بھی یہی ہے کہ کبھی کتاب تنہا نہیں بھیجی، ورنہ سیدھا سادا راستہ یہ تھا اور مشرکین کا مطالبہ بھی یہ ہی تھا کہ ہمارے اوپر براہ راست کتاب نازل کیوں نہیں ہو جاتی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کیوں بھیجی گئی، اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل تھا، جب صبح سویرے سب اٹھتے تو ہر شخص کے سرہانے ایک بہت خوبصورت جلد میں قرآن کریم کا ایک نسخہ رکھا ہوتا، اور آسمان سے آواز آجاتی کہ یہ کتاب اللہ ہے، اس کی پیروی کرو، کیا یہ کوئی مشکل کام تھا اللہ کے لئے؟ بلکہ اور ایک معجزہ ظاہر ہوتا،

ہر شخص دیکھ کر مسلمان ہو جاتا، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے کتاب تنہا نہیں بھیجی، بلکہ کتاب کے ساتھ رسول بھیجا، ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ رسول آئے، کتاب نہیں آئی، لیکن ایسی ایک مثال نہیں کہ کتاب آئی ہو، ساتھ میں پیغمبر نہ آیا ہو۔

تنہا کتاب اصلاح کے لئے کافی نہیں

کیونکہ تنہا کتاب انسان کی اصلاح کے لئے، انسان کی ہدایت کے لئے کبھی کافی نہیں ہوا کرتی، جب تک کہ اس کے ساتھ مربی نہ ہو، معلم نہ ہو، وہ آکر نمونہ نہ دکھائے، اس کی صحبت میں لوگ نہ بیٹھیں، اس وقت تک کتاب انسان کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتی، اور تو اور یہ جو کھانا پکانے کی کتابیں ہیں، جن میں ہر قسم کا کھانا پکانے کے طریقے لکھے ہوتے ہیں، ان کے بارے میں حضرت فرمایا کرتے تھے کہ کہ کھانا پکانے کی کتاب چھپی ہوئی ہے، اس میں لکھا ہے کہ بریانی کیسے پکتی ہے، پلاؤ کیسے بنتا ہے، قورمہ کیسے پکتا ہے، وہ کتاب سامنے رکھ لو اور پکاؤ بریانی، بناؤ پلاؤ، اس کتاب کو دیکھ دیکھ کر، اگر بریانی بناؤ گے تو سوائے اس کے کچھ عجیب قسم کا ملغوبہ تیار ہوگا، اور کوئی نتیجہ اس کا نہیں نکل سکتا، تو جیسے بریانی پکانے کے لئے بھی کسی مربی کی ضرورت ہے کہ کوئی بتانے والا بتائے گا، کوئی جاننے والا باورچی تربیت دے گا، جب آتا ہے پلاؤ پکانا، بریانی پکانا، تو جب دنیا کے کام میں یہ حال ہے تو دین کے کام بغیر مربی اور بغیر معلم کے کیسے آسکتے ہیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اسی صحبت سے دین حاصل کیا، اس وقت نہ کوئی کالج تھا، نہ یونیورسٹی، نہ کورس، نہ کتابیں، نہ کچھ اور، بس صحبت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی حاصل ہوگئی، صحابہؓ بن گئے۔

صحابہ کے نام کے ساتھ کوئی القاب نہیں

حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ نے لکھا ہے کہ اور جتنے بڑے بڑے فقہاء، علماء گزرے ہیں، ان کے بڑے بڑے القاب ہوتے ہیں، کسی کو فقیہ ملت کہتے ہیں، کسی کو محدث امت کہتے ہیں، کسی کو امام، کسی کو مفسر وغیرہ وغیرہ، طرح طرح کے خطاب دیے جاتے ہیں، لیکن حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ آپ نے کبھی کوئی خطاب دیکھا کہ کسی نے امام ابوبکر کہا ہو، یا محدث اعظم عثمان غنی کہا ہو، صحابہ کرام کے ساتھ کوئی ایسا لقب استعمال نہیں کیا جاتا، کیوں؟ اس واسطے کہ :

حاجت مشاطہ نیست روئے زیبارا

''جس کا چہرہ ہی خوبصورت ہو اس کو زیب و زینت کی ضرورت نہیں'' اس واسطے جب کہہ دیا کہ یہ صحابی ہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ساری صفات کمال جو انسان کی ہوسکتی ہیں، وہ ساری کی ساری اس کی طرف منسوب کردی ہیں، جب صحابی ہیں تو وہ فقیہ بھی ہیں، محدث بھی ہیں، وہ مجاہد بھی ہیں، وہ اللہ کے راستے کے اندر جہاد کرنے والا بھی ہے، متقی اور پرہیزگار بھی ہے، وہ صوفی بھی ہے، وہ ولی اللہ بھی ہے، وہ سبھی کچھ ہے، یہ مقام کس چیز سے حاصل ہوا؟ صحبت سے، صحابی صحبت سے بنا ہے، یہی دین کے پھیلنے کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے آج تک چلا آرہا ہے۔

باطنی معالج کا انتخاب کرلو

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ اس ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ اعمال ظاہرہ اور باطنہ دونوں کی اصلاح کا راستہ یہ ہے کہ اپنے لئے ایک باطنی معالج مقرر کرلو، اس کو اپنا مقتدا بنالو، اپنے سارے حالات اس کو بتاؤ، پھر وہ بتائے گا کہ تمہارے اندر کیا بیماری ہے، اور وہ پھر اس کی اصلاح کا طریقہ تجویز کرے گا، یہ طریقہ اس عزم کے ساتھ اپناؤ کہ اس کے کہنے کے اوپر عمل کرنا ہے، یہ خلاصہ ہے، فرمایا کہ اس سے مقصود بھی واضح ہوگیا، اور طریقہ بھی واضح ہوگیا، مقصود اعمال ظاہرہ و باطنہ کی اصلاح اور طریقہ کسی شیخ کی طرف رجوع کرکے اس کی صحبت اختیار کرنا، اور اس سے اپنی اصلاح کرانا، یہ حاصل کرلو تو بس یہ سیدھا سادہ راستہ ہے، اس کے بعد کسی چیز کی حاجت نہیں، لوگ بعض غیر مقصود چیزوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ دل جاری ہوجائے، کشف ہونے لگیں، کرامات حاصل ہوجائیں وغیرہ وغیرہ، ان میں سے کسی چیز کی حاجت نہیں، بس کسی اللہ والے کا دامن تھام لیا، اس کے پیچھے چل پڑے، بس یہ صراط مستقیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس حقیقت کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم کسی معالج کو اپنے لئے تجویز کرلیں، اور ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العلمین

پڑوسی کے حقوق

اور ہدیہ کے آداب

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال، کراچی
وقت خطاب	:	بعد نماز عصر
اصلاحی خطبات	:	جلد نمبر ۲۰

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پڑوسی کے حقوق

اور

ہدیہ کے آداب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ: لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا، وَلَوْ فِرْسَنَ شَاةٍ.

(بخاری شریف، کتاب الهبة وفضلها والتحریض علیها، حدیث نمبر ۲۵۶۶)

(ورياض الصلحين، باب في بيان كثرة طرق الخير، حديث نمبر ۱۲۴)

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز میں نے اس وقت آپ کے سامنے حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر حدیث تلاوت کی ہے، اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست مسلمان خواتین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے مسلمان عورتوں، کوئی پڑوسن اپنی دوسری پڑوسن کے لئے کسی ہدیہ کو کسی تحفہ کو حقیر نہ سمجھے، چاہے وہ ہدیہ کسی بکری کے کھر کا کیوں نہ ہو۔

یہ حدیث درحقیقت پڑوسیوں کے حقوق بیان کرنے کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی، اور پڑوسیوں کے درمیان اچھے تعلقات پیدا کرنے اور انکے درمیان مودت اور محبت، اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے کا راستہ بتا دیا۔

پڑوسی کو وارث بنا دیا جاتا

آج کے اس نئی روشنی کے نظام نے "پڑوس" کا تصور ہی ختم کر دیا ہے، سالہا سال تک پڑوس میں ساتھ رہ رہے ہیں، دونوں کے مکان ساتھ ساتھ ہیں لیکن ایک دوسرے کو نہ تو پہچانتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کا نام جانتے ہیں، نہ اس کے حالات جانتے ہیں حالانکہ "پڑوس" کے حقوق اتنے ہیں کہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ تشریف لائے اور انہوں نے مجھے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اتنی طویل تاکید فرمائی کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید شریعت میں پڑوسی کو وارث قرار دینے کا حکم آنے والا ہے، کہ شاید اللہ تعالیٰ پڑوسی کو وارث قرار دیدیں کہ انسان کا جب انتقال ہو تو اس کے ترکہ میں پڑوسی کا بھی حق ہے۔

وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جس کے پڑوس میں کوئی آدمی بھوکا ہو اور اس کو پتہ نہ ہو (الادب المفرد، باب لا یشبع دون جارہ، حدیث نمبر ۱۱۲) اس لئے کہ پتہ نہ ہونا بھی غفلت ہے، اس لئے کہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ہمیں کیا پتہ کہ وہ بھوکا ہے۔ ارے تمہیں کیوں پتہ نہیں؟ تمہیں اس لئے پتہ نہیں کہ تمہارے دل میں پڑوس کا احساس نہیں، تمہارے دل میں اس کے حقوق کا ادراک نہیں، اس کی اہمیت نہیں، اگر دل میں اہمیت ہوتی تو تم پتہ رکھتے کہ میرا پڑوسی کس حال میں ہے۔ بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوس کے حقوق کی اتنی اہمیت بیان فرمائی ہے تا کہ ایک دوسرے کے کام آؤ، ایک دوسرے کے حالات جاننے کی کوشش کرو، ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ساتھی رہو، ایک دوسرے کو ہدیے اور تحفے بھیجو، ایک دوسرے کے ساتھ محبت پیدا کرنے کی کوشش کرو۔

سفر میں ساتھ بیٹھنے والے کے حقوق

جو آدمی ہر وقت آپ کے مکان کے ساتھ رہتا ہے، اس کا درجہ اور اس کے حقوق تو اپنی جگہ ہیں۔ قرآن کریم نے اس پڑوسی کے بھی حقوق بیان فرمائے ہیں، جو عارضی طور پر سفر میں آپ کا ساتھی بن جاتا ہے، مثلاً آپ بس میں سفر کر رہے ہیں، اور آپ کی سیٹ کے برابر دوسری سیٹ پر ایک آدمی آ کر بیٹھ گیا، قرآن کریم نے اس کے بھی حقوق بیان فرمائے ہیں اور اس کو "صَاحِبِ بِالْجَنْبِ" کا نام دیا۔ یا مثلاً

ریل میں سفر کر رہے ہیں، اور آپ کے ساتھ جو دوسرا آدمی بیٹھا ہے وہ آپ کا "صاحب بالجنب" ہے۔ جسکے معنی ہیں "برابر میں بیٹھنے والا" اس کے بھی اللہ تعالیٰ نے حقوق رکھے ہیں یعنی جو شخص تھوڑی دیر کے لئے آپ کا ساتھی بنا ہے اور جس نے تھوڑی دیر کے لئے ہم سفری اختیار کی ہے، اس کا بھی حق یہ ہے کہ اس کو بھی تکلیف نہ پہنچنے دو، اس کو بھی راحت پہنچانے کی کوشش کرو، تمہاری ذات سے، تمہارے عمل سے اس کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

چند گھنٹے کا ساتھ ہے

"صاحب بالجنب" کے سلسلے میں یہ بھی عرض کر دوں کہ صاحب بالجنب کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا بہت آسان ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ریل میں، بس میں کونسا لمبا چوڑا وقت گزارنا ہے، صرف دو گھنٹے، یا چار گھنٹے، چھ گھنٹے، چوبیس گھنٹے، ایک دن، دو دن، اس سے زیادہ تو نہیں ہوگا، اب اگر یہ مختصر وقت تم تھوڑی سی تکلیف برداشت کرتے ہوئے گزار لو اور اپنے ساتھی کو آرام پہنچا دو تو تمہارے اعمال نامے میں کتنی نیکیوں کا اضافہ ہو جائیگا۔ اس کے برخلاف اگر تم نے اس کو کوئی تکلیف پہنچا دی اور سفر مکمل ہونے کے بعد آپ کا راستہ الگ، اس کا راستہ الگ، آپ کی منزل الگ، اس کی منزل الگ، اب دوبارہ اس سے ملنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اور تکلیف پہنچانے کا گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے۔ اور حقوق العباد کا معاملہ یہ ہے کہ یہ صرف توبہ اور استغفار سے معاف نہیں ہوتے جب تک صاحب حق اس کو معاف نہ کر دے۔

بعد میں معافی مانگنا مشکل ہوگا

اب فرض کرو کہ سفر کے دوران آپ کے ذریعہ کسی ساتھ کو تکلیف پہنچی۔ بعد میں آپ کو افسوس ہوا کہ مجھ سے یہ بڑی غلطی ہوگئی اور اب فکر ہوئی کہ اس کی تلافی کروں؟ لیکن اب مسافر کو کہاں تلاش کروں، اور کس طرح اس سے معافی مانگی جائے، اور اس گناہ کی تلافی کرائی جائے۔ لہذا یہ ایسا گناہ ہے کہ اس کی تلافی بھی مشکل ہے۔ بہر حال: ''صاحب بالجنب'' جو عارضی طور پر تمہارے سفر میں ساتھ ہوگیا ہے، جب اس کے اتنے حقوق ہیں تو جو شخص مستقل طور پر تمہارے ساتھ میں رہتا ہے، اس کے کتنے زیادہ حقوق ہونگے۔ بہر حال، ان احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے مختلف حقوق بیان فرمائے ہیں۔

اپنے پڑوسی کو فائدہ پہنچاؤ

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ اگر کوئی پڑوسی تمہاری دیوار پر اپنی چھت کا شہتیر رکھنا چاہتا ہے، تو تم پڑوسی کو منع مت کرو۔ (صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب لا یمنع جارہ جارہ ان یغرز خشبة فی جدارہ، حدیث نمبر ۲۴۶۳) حالانکہ دیوار تمہاری ہے اور تمہیں قانوناً یہ حق حاصل ہے کہ تم اس کو منع کردو لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اگر تمہارے ذریعہ سے تمہارے پڑوسی کو کچھ فائدہ ہورہا ہے تو اس کو مت رو کو بلکہ اجازت دیدو۔ ان حقوق کی ادئیگی کے لئے دلوں کا جڑا ہونا ضروری ہے، اگر دلوں میں محبت ہوگی تو ایک دوسرے کے حقوق بھی ادا کریں گے اور اگر دلوں میں محبت نہیں ہے، بلکہ نفرت ہے، عداوت

ہے، دشمنی ہے، بغض ہے، کینہ ہے، حسد ہے تو پھر کیسے حق ادا ہوگا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ترغیب دی ہے کہ پڑوسیوں کو کبھی کوئی ہدیہ تحفہ بھیج دینا چاہئے۔

ہدیہ دو، چاہے وہ معمولی چیز ہو

چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

تَهَادَوْا تَحَابُّوْا

(الادب المفرد للامام البخاری، باب قبول الهدية، حديث نمبر ۵۹۴)

تم آپس میں ایک دوسرے کو ہدیے دیا کرو، اس سے آپس میں محبت پیدا ہوگی اس لئے پڑوسیوں کو کبھی ہدیہ دیدیا کرو اس سے دلوں میں محبتیں بڑھتی ہیں۔ اگر فرض کرو کہ کوئی پڑوسن اتنی غریب ہے کہ وہ بیچاری اپنی پڑوس میں رہنے والی خاتون کو کوئی بڑا تحفہ اور ہدیہ نہیں دے سکتی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اگر تمہارے پاس بکری کا کھر رکھا ہے تو اس کے بارے میں یہ مت سوچو کہ بکری کا کھر تو حقیر سی چیز ہے، اس کو کیا بھیجوں، آپ نے فرمایا کہ اس کو حقیر سمجھ کر چھوڑو نہیں۔ اس وجہ سے کہ اگر تمہارے پاس کچھ اور نہیں تھا اس لئے تم نے وہ کھر بھیج دیا تو بات اس چیز کی نہیں جو دی جا رہی ہے بلکہ بات اس جذبے کی ہے جس جذبے کے ساتھ وہ چیز دی جا رہی ہے، جب تم اس جذبے کے ساتھ اپنی پڑوسن کو کوئی چیز بھیجو گی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دلوں میں محبت پیدا ہوگی۔ چنانچہ فرمایا کہ کوئی کوئی پڑوسن کسی پڑوسن کے لئے کسی ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے۔ بھیجنے والی بھی حقیر نہ سمجھے کہ

یہ چھوٹی سی چیز ہے، کیا بھیجوں؟ اور وصول کرنے والی بھی حقیر نہ سمجھے کہ اس خاتون نے میرے پاس کتنی معمولی سی چیز بھیج دی۔ بلکہ وہ یہ دیکھے کہ بھیجنے والی نے کس جذبے سے وہ چیز بھیجی ہے۔

ہدیہ جو محبت بڑھانے کا ذریعہ تھا لیکن

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''معاشرت'' کی تعلیمات ہیں، کہ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی کیسے گزاری جائے، انہی تعلیمات کو چھوڑ کر آج ہم نے اپنی زندگی کو جہنم بنایا ہوا ہے، عداوت کی، نفرت کی، بغض کی، کینہ کی، حسد کی آگ میں ان تعلیمات کو چھوڑنے کی وجہ سے پورا معاشرہ سلگ رہا ہے۔ ''ہدیہ'' کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے محبتیں بڑھتی ہیں، یہ چیز جو محبتیں بڑھنے کا ذریعہ تھی آج ہم نے اس کو نفرتیں بڑھنے کا ذریعہ بنالیا ہے، ہر چیز کو ہم نے الٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ آج ہدیہ کو ہم نے اپنی چند خود ساختہ رسموں کے تابع بنالیا ہے، مثلاً یہ کہ فلاں موقع پر ہدیہ دیا جائیگا اس سے پہلے نہیں اور وہ ہدیہ صرف اس لئے دیا جارہا ہے کہ اگر ہم نے وہ ہدیہ نہیں دیا تو معاشرے میں ہماری ناک کٹ جائیگی۔ مثلاً شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے موقع پر ہدیہ دیا جارہا ہے اور اس لئے دے رہے ہیں کہ اگر ہم نہیں دیں گے تو ہماری ناک کٹ جائیگی۔ وہ چیز جو محبت پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ذریعہ بنتی، اس چیز کو آج ہم نے رسمی تعلق کا ذریعہ بنا دیا۔

شادی بیاہ پر دیا جانے والا ہدیہ

چنانچہ جب شادی بیاہ کا موقع آتا ہے تو سب کو یاد ہوتا ہے کہ کس نے ہمارے

ہاں شادی کے موقع پر کتنے پیسے دیے تھے، بعض علاقوں میں تو باقاعدہ فہرست بنا کر لکھ لیا جاتا ہے کہ کس نے فلاں کی شادی پر کتنے دیے تھے؟ گویا کہ وہ پیسے اس کے ذمے قرض ہیں۔ جب اس کے یہاں شادی کا موقع آئیگا تو یہ پیسے وہاں ادا کرنا ضروری ہوگا اور بعض جگہوں پر فہرست بنا کر لکھا تو نہیں جاتا، لیکن دل میں لکھا ہوا ہوتا ہے کہ کس نے کتنا دیا تھا، لہٰذا اب مجھے بھی اس کے یہاں اتنے ہی دینے ہیں، اس سے کم نہیں دے سکتا، اس سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ زیادہ اس لئے نہیں دے سکتا کہ جب اس نے نہیں دیے تو میں کیوں دوں؟ اور کم اس لئے نہیں دے سکتا کہ اگر میں کم دوں گا تو معاشرے میں میری ناک کٹ جائیگی اور وہ برا مانیں گے۔

ایسا ہدیہ سود میں داخل ہے

اب اگر کسی کے پاس اتنی گنجائش نہیں تھی کہ اتنا دے جتنا اس نے دیا تھا لہٰذا اس نے کچھ کم دیدیا۔ اب اس کی طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہو جائیگی کہ ہم نے تمہارے ہاں فلاں تقریب میں اتنا دیا تھا اور تمہیں اتنا دینے کی بھی توفیق نہ ہوئی؟ وہ ہدیہ جو محبتیں پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا، الٹا وہ اور نفرتیں اور عداوتیں پیدا کر رہا ہے، دلوں کو جوڑنے کے بجائے دلوں کو توڑ رہا ہے۔ یہ سب شیطان کا عمل ہے، وہ اچھے خاصے کام کو اس طرح بگاڑتا ہے کہ اس کے ذریعہ جو اصل مقصود تھا وہ حاصل نہیں ہوتا۔ یاد رکھیے: اس طرح سے ہدیہ کا لین دین جو ادلے بدلے کا لین دین ہو، یہ قرآن کریم کی اصطلاح میں ''سود'' ہے۔ قرآن کریم نے سورۃ روم میں فرمایا:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ

(سورۃ الروم :۳۸)

اس آیت میں لفظ "ربا" سے مراد یہی ادلے بدلے کا لین دین ہے، جسکو آجکل "نیوتہ" کہا جاتا ہے، یہ ہدیہ اس لئے دیا جاتا ہے کہ یہ شخص ہماری تقریب میں اتنا ہی دے یا اس سے زیادہ دے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح نیوتہ کے طور پر جو تم دیتے ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ البتہ تم جو زکاۃ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر دیتے ہو اس میں اضافہ ہوتا ہے اور بڑھوتری ہوتی ہے۔ بہر حال یہ نیوتہ جو دکھاوے کے لئے نام کی خاطر، صرف اس وجہ سے کہ ہماری ناک نہ کٹے اور ہمارا نام ہو کہ فلاں نے اس تقریب میں اتنا دیا۔ یہ ساری باتیں ہدیہ اور تحفے کی روح کو غارت کرنے والی ہیں۔

ہدیہ کے لئے تقریب کا انتظار مت کرو

کتنی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے دل میں خیال پیدا ہوا کہ فلاں ہمارا عزیز ہے، یا فلاں ہمارا دوست ہے، اس کو ہم کوئی تحفہ دیدیں۔ اب گھر والوں سے مشورہ ہوا کہ کیا چیز تحفہ میں دی جائے؟ اب مشورہ کے اندر یہ بات سامنے آئی کہ اس وقت تحفہ دینے سے کیا فائدہ، ان کے گھر میں فلاں تقریب ہونے والی ہے، اس تقریب کے موقع پر دیں گے حالانکہ اس وقت جو دل میں محبت سے ہدیہ دینے کا جو داعیہ پیدا ہوا تھا، اگر اس وقت وہ ہدیہ دیتے تو اس پر اجر و ثواب ملتا، اور اس سے محبتیں بڑھتیں لیکن یہ کہہ کر اس کو ٹال دیا کہ فلاں تقریب آرہی ہے، اس تقریب کے موقع پر دیدیں گے، جسکا مطلب یہ جو ہدیہ اخلاص کے ساتھ دینا تھا، اس کو ٹال دیا اور اس کو

رسم بنا دیا، یاد رکھیے! یہ بہت گھاٹے کا سودا ہے۔ تقریب کے وقت دینے میں بھی تمہارے پیسے خرچ ہوں گے۔ لیکن اب پیسوں پر ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہوگا، اور اس ہدیہ سے جو فوائد حاصل ہونے چاہئیں، وہ نہیں ہوں گے۔

صرف اللہ کے لئے ہدیہ دو

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محبتیں پیدا کرنے والی چیز یہ ہے کہ جب دل میں یہ داعیہ پیدا ہو کہ فلاں میرا بھائی ہے، فلاں میری بہن ہے، فلاں میرا عزیز ہے، فلاں میرا رشتہ دار ہے، فلاں میرا دوست ہے، میں اس کی کچھ خدمت کردوں، بس اس وقت اس کی خدمت کردو۔ اور جب دل میں داعیہ نہیں ہے، محض رسم کی وجہ سے مجبور ہو کر دے رہے ہیں کہ اس وقت سارے لوگ دے رہے ہیں، ہم بھی دیدیں۔ یہ کوئی بات نہیں۔ لہٰذا ایک مرتبہ ان رسموں کو ختم کر کے ان رسموں کے خلاف کھڑے ہو جاؤ اور صرف اللہ کے لئے ہدیہ لینا دینا شروع کردو، پھر دیکھو کیا ہوتا ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے میرا کہنا نہیں ہے، وہ فرما رہے ہیں کہ "تھادَوْا تحابوا" آپس میں ہدیہ دو، محبتیں پیدا ہونگی اور اگر کسی وقت اس کے ذریعہ محبتیں پیدا نہیں ہو رہی ہیں بلکہ الٹا شکوے اور شکایتیں پیدا ہو رہی ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جو ہدیہ دے رہا ہے، وہ حقیقت میں ہدیہ ہی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ قبول نہیں ہے، اس لئے کہ تم نے اس ہدیہ کو نام و نمود اور رسموں کے تابع بنالیا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہیں ہے، اگر اللہ کی رضا کی خاطر چھوٹی سی چیز بھی دو گے تو اس سے محبت پیدا ہوگی۔

خاص طور پر خواتین سے خطاب کیوں؟

دیکھئے کہ اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر خواتین کو خطاب فرمایا کہ اے مسلمان عورتوں! آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دینے میں کسی چیز کو حقیر نہ سمجھو، وجہ اس کی یہ ہے کہ پڑوسیوں میں آپس میں ایک دوسرے سے شکوہ شکایتیں جو ہوتی ہیں اور ایک دوسرے سے رنجشیں ہوتی ہیں وہ عموماً خواتین کے درمیان ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ مرد تو عموماً صبح اٹھ کر اپنے کام دھندوں کے لئے چلے جاتے ہیں اور عورتوں کو زیادہ وقت گھر میں گزارنا ہوتا ہے، اس لئے ان کے درمیان رنجشیں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔

کم اور زیادہ کی فکر چھوڑ دو

دوسرے یہ کہ ہدیہ اور تحفے کے سلسلے میں رسموں کی پابندی خواتین کے ذہنوں میں زیادہ ہوتی ہے کہ اس نے ہدیہ کم دیا، اس نے زیادہ دیا، اس لئے خاص طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو خطاب کر کے ہدیہ کی روح بیان فرمادی، لہٰذا یہ مت دیکھو کہ ہدیہ میں کیا چیز آرہی ہے، بلکہ یہ دیکھو کہ کس دل سے آرہی ہے، چھوٹی سی چیز ہدیہ میں دی جارہی ہو مگر دل میں اخلاص ہو، محبت ہو تو اس چھوٹی سی چیز کی دل میں قدر و منزلت ہوگی، ہدیہ لینے میں بھی اور ہدیہ دینے میں بھی۔ بہر حال ایک اصول تو اس حدیث میں یہ بیان فرمادیا۔

ہدیہ میں کیا چیز دی جائے؟

ہدیہ کے سلسلے میں دوسرا اصول اس حدیث میں یہ بیان فرمایا جو آج ہمارے

معاشرے میں بالکل فراموش کر دیا گیا ہے، وہ یہ کہ ہدیہ دیتے وقت یہ دیکھو کہ کونسی چیز ایسی ہے کہ ہدیہ دینے میں اس کو راحت ہوگی اور خوشی ہوگی۔ اب آجکل ہمارے یہاں ایک رسم پڑ گئی کہ جب کسی کے یہاں تقریب ہوگی تو مٹھائی کا ڈبہ ہدیہ میں لے جائیں گے۔ اب ہر شخص مٹھائی کا ڈبہ لیے چلا آرہا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے گھر میں مٹھائی کا ڈھیر لگ گیا اس لئے کہ اس موقع پر کوئی اور چیز لیجانے کا رواج ہی نہیں، صرف مٹھائی لیجانے کا رواج ہے۔ اب اس مٹھائی کے ڈھیر کو گھر والے نہ کھا سکتے ہیں نہ پھینک سکتے ہیں بالآخر وہ رکھے رکھے خراب ہو جاتی ہے، یہ کیوں ہوا؟ اس لئے ہدیہ میں پیش نظر رسمی اصول ہیں، اسلامی اصول نہیں اور یہ ہدیہ اللہ کے لئے نہیں دیا جارہا ہے، یہ ہدیہ محبتیں پیدا کرنے کے لئے نہیں دیا جارہا ہے، بلکہ صرف رسم پوری کرنے کے لئے دیا جارہا ہے۔

ایک بزرگ کے عجیب وغریب ہدیے

تبلیغی جماعت کے ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ، یہ بزرگ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے محبت رکھتے تھے، کبھی کبھی ملاقات کے لئے حضرت والد صاحب کے پاس تشریف لاتے تھے اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ کچھ بھی عطا فرماتے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ جب ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو کاغذ کا ایک دستہ بطور ہدیہ لیکر آئے اور ایک مرتبہ آئے تو روشنائی کی شیشی لا کر ہدیہ میں پیش کر دی۔ جب وہ یہ چیزیں لیکر آئے تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دیکھو: کوئی اور ہوتا اور اس کے دل

میں ہدیہ دینے کا خیال آتا تو بازار جا کر مٹھائی کا ڈبہ خرید کر لے آتا، اس کے دماغ میں یہ خیال نہ آتا کہ میں کاغذ خرید کر لے جاؤں۔ لیکن اس اللہ کے بندے کے دل میں ہدیہ دینے سے مقصود چونکہ راحت پہنچانا ہے اور ہدیہ دینے سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی مقصود ہے، اس لئے انہوں نے یہ سوچا کہ ان کو کس چیز کی ضرورت ہوگی؟ انہوں نے سوچا کہ مفتی صاحب کو ہر وقت لکھنے کا کام رہتا ہے اور لکھنے کے لئے کاغذ کی ضرورت رہتی ہے اگر میں مفتی صاحب کے لئے کاغذ اور روشنائی لیکر جاؤنگا تو ان کے کام آئیگا۔ فرمایا کہ یہ ہدیہ رسمیات سے بالاتر ہے، لیکن اس ہدیہ میں جو نور اور برکت ہے وہ مٹھائی کے ڈبے کے ہدیہ میں نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے روشنائی کا ہدیہ لاکر دیدیا۔ آج کے دور میں کوئی آدمی روشنائی لائیگا؟ کسی کے دماغ میں یہ خیال ہی نہیں آئیگا، ان صاحب کو چونکہ یہ فکر تھی کہ کوئی ایسی چیز لے جاؤں جو ان کے کام آئے۔

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی

ہمارے ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان بزرگوں کی زیارت کرادی، ان کی زیارت بھی بڑی نعمت ہے۔ یہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کے ساتھی تھے، اور دوست بھی تھے، دارالعلوم دیوبند میں ساتھ پڑھا اور پھر ساتھ پڑھایا۔ اور مصنف بھی تھے، بہت سی کتابیں لکھیں اور والد صاحب نے بھی بہت سی کتابیں لکھیں، ان کو والد صاحب سے اتنی محبت تھی کہ انہوں نے اپنی کتابوں کے نام بھی وہی رکھے جو حضرت والد صاحبؒ نے اپنی کتابوں کے رکھے تھے۔ مثلاً حضرت والد صاحبؒ نے

قرآن کی تفسیر لکھی، اس کا نام ''معارف القرآن'' رکھا، انہوں نے بھی تفسیر لکھی اور اس کا نام ''معارف القرآن'' رکھا۔

دعوت کے بجائے پیسے دیدیے

ان کا قیام لاہور میں تھا۔ ایک مرتبہ جب کراچی تشریف لائے تو حضرت والد صاحب سے ملنے کے لئے دارالعلوم کراچی بھی آئے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب دارالعلوم کے قریب تک بسیں نہیں آتی تھیں اور بلکہ دور اتارتیں اور پھر وہاں سے پیدل آنا پڑتا تھا، یا اپنی گاڑی سے آنا پڑتا اور دارالعلوم میں ایسے وقت پہنچے جب کھانے کا وقت نہیں تھا۔ حضرت والد صاحب بھی ان سے بہت محبت کرتے تھے، حضرت والد صاحب نے ان سے پوچھا کہ کیا پروگرام ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ملاقات کر کے واپس جانا ہے، اور فلاں جگہ پر کھانے کا وعدہ کر رکھا ہے وہاں پہنچنا ہے، اور دو دن کا کراچی میں قیام ہے، اور کام بہت سارے ہیں۔ جب وہ واپس جانے لگے تو حضرت والد صاحب نے ان سے فرمایا کہ بھائی مولوی صاحب ایک بات سنو، میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں تمہاری دعوت کروں کیونکہ بہت مدت کے بعد میرے پاس آئے ہو لیکن اگر میں دعوت کروں تو یہ تمہارے ساتھ عداوت ہوگی۔ اس لئے کہ اب تو آپ کسی طرح وقت نکال میرے پاس ملنے کے لئے آگئے اور اس دعوت کے لئے مجھے آپ کو دوبارہ بلانا پڑیگا یہاں کورنگی آنے کے لئے آدھا دن آدمی کے پاس ہونا چاہئے اور تمہارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ دعوت کے لئے دوبارہ آسکو، اور دل چاہ رہا ہے کہ دعوت کروں۔ ایسا کرو کہ میں دعوت پر جتنے پیسے خرچ

کرتا، اتنے پیسے میں آپ کو ہدیہ کرتا ہوں اس کے نتیجے میں میری خواہش بھی پوری ہوجائیگی اور آپ کو بھی تکلیف نہیں ہوگی۔ چنانچہ والد صاحب نے پچاس روپے نکال کر حضرت مولانا ادریس صاحب کی خدمت میں پیش کردیے۔ حضرت مولانا ادریس صاحب نے وہ پیسے اس انداز میں لیے کہ جیسے ان کو کتنی بڑی نعمت مل گئی اور ان کو لیکر اپنے سر پر رکھ لیا اور فرمایا کہ یہ تو میرے لئے دعوت سے ہزار درجہ بہتر ہے اور قبول فرمالئے۔

دوسرے کو راحت پہنچانے کی کوشش کرو

اب بتائیے، آج یہ عمل کوئی کریگا؟ آج تو رسم یہ ہے کہ گھر پر بلا کر کھانا ہی کھلاؤ۔ چاہے اس کو کتنی ہی تکلیف ہو، چاہے اس کا کتنا ہی وقت ضائع ہو، کتنے ہی اس کے پیسے خرچ ہوں، لیکن گھر پر بلا کر ہی کھانا کھلانا ہے۔ لیکن وہاں پر آپ نے دیکھا کہ ''رسم'' کا کوئی سوال نہیں، وہاں پر تو دل کی محبت کا سوال ہے، اخلاص کا سوال ہے۔ ارے جس سے تم کو محبت ہے، اس کو راحت پہنچانے کی کوشش کرو، اس لئے محبت نام ہے، راحت پہنچانے کا۔ محبت تکلیف پہنچانے کا نام نہیں ہے کہ ایک طرف محبت ہو رہی ہے اور دوسری طرف تکلیف پہنچائی جارہی ہے، یہ نہیں۔ بلکہ محبت نام ہے راحت رسانی کا کہ کس کام میں اس کو راحت ہوگی؟ اس کی راحت کا خیال کرو۔ آج اگر دوسرے کو دعوت کے نام پر پیسے دیدیے تو سامنے والا یہ سمجھے گا کہ مجھے بھیک دیدی اور مجھے پیسے کا بھوکا سمجھ رہا ہے اگر دعوت کرتے تو اعزاز ہوتا۔ اب پیسے دینے سے کیا اعزاز ہوگا؟ ارے بھائی! اگر ایک مسلمان بھائی آپ کو ہدیہ

دے رہا ہے، اور اخلاص کے ساتھ دے رہا ہے، محبت کے ساتھ دے رہا ہے تو بہت بڑی نعمت ہے۔

برکت والا ذریعہ آمدنی ''ہدیہ'' ہے

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ انسان کے لئے دنیا میں جتنے ذرائع آمدنی ہیں ان میں سب سے زیادہ بابرکت اور پرنور ذریعہ آمدنی کسی مسلمان کا ہدیہ محبت ہے، اس لئے کہ وہ صرف محبت کی خاطر دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر دے رہا ہے، لہٰذا اس ہدیہ کو حقیر مت سمجھو۔ اسی لئے کہ فرمایا کہ اگر تمہیں خوشبو دے رہا ہے، اور عطر کی شیشی دے رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے دل میں نام ونمود نہیں ہے، اگر نام ونمود ہوتا تو کوئی بڑی چیز دیتا، بلکہ اس کے دل میں اخلاص ہے، اور اپنی محبت کا اظہار تم سے کرنا چاہتا ہے تو اب اس کو رد مت کرو، بلکہ اس کو قبول کرلو اور جب تم اس کو قبول کرلو گے تو اس میں جو برکت اور نور ہوگا، اس میں جو لطف ہوگا، وہ بڑی بڑی چیزوں سے نہیں ہوگا۔ بہرحال، اس حدیث سے ہدیہ کے بارے میں دوسرا اصول یہ پتہ چلا کہ رسم ورواج کے لئے نہیں محبت کے لئے ہدیہ دیا جائے۔

انتظار کے بعد آنے والا ہدیہ مبارک نہیں

ہدیہ کے سلسلے میں ایک اور مسئلہ بھی عرض کردوں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو ہدیہ ''اشراف نفس'' کے بغیر ملے تو اس میں بڑی برکت اور بڑا نور ہے اور جو ہدیہ اشراف نفس کے ساتھ ملے تو اس ہدیہ میں برکت نہیں۔ (صحیح بخاری، باب

الاستعفاف عن المسئلة، حدیث نمبر ۱۳۶۲) ''اِشراف نفس'' کے معنی ہیں ''نفس کا انتظار'' مثلاً کسی کا اشتیاق اور انتظار لگا ہوا ہے کہ فلاں موقع آرہا ہے، فلاں شخص ہدیہ لیکر آئیگا، یہ اشراف نفسی ہے، یعنی نفس کا انتظار کرنا۔ مثلاً شادی ہو رہی ہے، اب پہلے سے وہ حساب کتاب جوڑ رہا ہے کہ شادی کے موقع پر اتنی رقم بطور ہدیہ کے میرے پاس آجائیگی۔ یہ اشراف نفس ہے۔ یا مثلاً ایک آدمی کا معمول ہے کہ جب بھی ملاقات کے لئے آتا ہے تو ہدیہ لیکر آتا ہے، تو اب اس کا انتظار لگا ہوا ہے کہ وہ ہدیہ آئیگا، یہ اشراف نفس ہے۔ بہر حال، حدیث شریف میں ہے کہ جس ہدیہ میں اشرافِ نفس نہ ہو وہ ہدیہ بڑی برکت والا ہے، اور جس ہدیہ میں اشراف نفس ہو اور انتظار ہو اس میں برکت نہیں ہوتی۔

اس ہدیہ میں برکت نہیں ہوتی

اس سے یہ بات نکل آئی کہ جو رسمی ھدایا ہوتے ہیں جو رسموں کے موقعوں پر دیے جاتے ہیں ان میں برکت نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ رسمی ھدایا میں اشراف نفس لازماً ہوگا، لازماً یہ انتظار ہوگا کہ یہ موقع ہے، فلاں شخص کو اتنا ہدیہ دینا چاہئے۔ اس لئے ان ھدایا میں برکت نہیں ہوتی۔ جو ھدایا بغیر رسم و رواج کے دیے جائینگے ان میں برکت ہوگی۔ لہذا آدمی پہلے سے انتظار میں نہ بیٹھے کہ فلاں شخص ہدیہ لائیگا۔

اشرافِ نفس کی وجہ سے کھانا واپس کر دیا

ایک بزرگ جو بڑے اللہ والے تھے، ان کا قصہ لکھا ہے کہ وہ دین کے کام میں لگے رہتے تھے، ایک مرتبہ ان پر فاقوں کی نوبت آگئی۔ کئی روز کا فاقہ آگیا، اسی

دوران ان کے پاس ان کے شاگرد اور، مریدین آتے رہے، یہ ان کو وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ کسی شاگرد نے یہ محسوس کیا کہ شیخ پر کمزوری اور نقاہت کے آثار ہیں۔ ان کے اوپر فاقہ محسوس ہو رہا ہے، چنانچہ وہ شاگرد مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تاکہ شیخ کے لئے کچھ کھانے کا انتظام کریں۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں ایک تھال کے اندر کھانا لیکر آئے اور شیخ کی خدمت میں پیش کیا، شیخ نے کہا کہ نہیں، میں یہ کھانا نہیں کھاؤنگا واپس لیجاؤ۔ جب شیخ نے کہا کہ واپس لیجاؤ، میں نہیں کھاؤنگا، تو مرید نے بھی واپس لیجانے میں کوئی تامل نہیں کیا، فوراً وہ تھال اٹھایا، اور واپس لے گیا۔ اور دس پندرہ منٹ کے بعد پھر وہ تھال لیکر آ گیا اور کہا کہ حضرت! اب قبول فرمالیں، شیخ نے فرمایا کہ ہاں بھائی لاؤ، چنانچہ وہ کھانا تناول فرمالیا۔ پہلی مرتبہ وہ کھانا رد کر دیا، اور دوسری مرتبہ وہ کھانا کھالیا۔ ایسا کیوں کیا؟ بات یہ ہوئی کہ جب وہ شاگرد مجلس سے اٹھ کر گیا، اس وقت شیخ کے دل میں یہ خیال آ گیا کہ میرا شاگرد میرے کھانے کا انتظام کرنے گیا ہے، اب دل میں انتظار لگ گیا کہ اب یہ شاگرد کھانا لیکر آئیگا۔ جب وہ کھانا لیکر آیا تو چونکہ کھانے کا انتظار لگا ہوا تھا، اس وقت یہ حدیث ذہن میں آ گئی کہ انتظار کے بعد جو ہدیہ آئے اس ہدیہ میں برکت نہیں ہوتی، اس لئے میں نے کھانا واپس کر دیا۔

کیسے شیخ، کیسے مرید

شاگرد بھی سمجھ گیا کہ شیخ مجھے جو واپس کر رہے ہیں وہ "اشراف نفس" کی وجہ سے واپس کر رہے ہیں، اس لئے وہ شالرد کھانا واپس لے گیا اور واپس لیجانے کے

نتیجے میں انتظار ختم ہو گیا، پھر پندرہ بیس منٹ کے بعد وہی کھانا واپس لے آیا، اور کہا کہ حضرت: اب تو یہ کھانا قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ چنانچہ اس کو قبول کر لیا۔ یہ کیسے شیخ اور کیسے مرید اور شاگرد تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی فہم عطا فرمائی تھی۔ بہر حال، یہ "اشراف نفس" ایسی چیز ہے جو ہدیہ کی برکت کو ختم کر دیتی ہے۔

محبت کہاں سے پیدا ہو؟

اب آپ خود معاشرہ کا جائزہ لیکر دیکھیں کہ آج کے دور میں ہم شادیوں پر، تقریبات پر، ولیمہ پر، عقیقہ پر، ختنے پر جو ہدیے دیتے ہیں ان میں کیسے برکت ہو سکتی ہے؟ اور حدیث شریف میں جو یہ آیا ہے کہ ہدیے دو، آپس میں محبت پیدا ہو گی، یہ محبت کہاں سے پیدا ہو؟ جب کہ اس ہدیہ میں برکت ہی نہیں ہوئی۔ اس لئے "اشراف نفس" کے بغیر آنے والے ہدیہ میں جو برکت رکھی ہے، اس کو حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں ان باتوں کی سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

اللہ کو راضی کرنے کی فکر کرو

آج ہم لوگ ان رسموں کے اندر جکڑ گئے ہیں، ان رسموں نے ہمیں اس طرح گھیر لیا ہے جس طرح آگ لکڑی کو گھیر لیتی ہے، ان رسموں سے آزاد ہو کر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر آنا، یہ تھوڑا مجاہدہ چاہتا ہے ہمیں اپنی ناک کی بڑی فکر رہتی ہے کہ کہیں یہ ناک نہ کٹ جائے، ارے یہ سوچو کہ یہ ناک کٹتی ہے تو کٹ جائے، لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل ہو جائے۔ اور اللہ

تعالیٰ راضی ہو جائیں۔ اس کی فکر کرو اور ان رسموں سے بچ کر آپس میں محبتیں پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنی رحمت سے ہمیں اس کی سمجھ عطا فرمائے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

معاشرتی برائیاں

اور علماء کی ذمہ داریاں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : دارالعلوم رحمانیہ، مینی
ضلع صوابی، صوبہ سرحد

اصلاحی خطبات جلد نمبر ۲۰

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاشرتی برائیاں

اور

علماء کرام کی ذمہ داریاں

۲۳ رجب ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۴ مارچ ۲۰۰۶ء کو صوبہ سرحد کے دارالعلوم رحمانیہ، مینی ضلع صوابی میں علماء، طلباء کے ایک بڑے اجتماع سے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ایک وقیع خطاب فرمایا تھا، جسے مولانا عبدالرحمٰن اویس اور مولانا اعجاز احمد صمدانی نے قلم بند کیا، افادۂ عام کے لئے وہ خطاب ہدیۂ قارئین ہے .... (میمن)

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ . اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ . صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ (المائدۃ:۶۳)

تمہید

حضرات علماء کرام، عزیز طلبہ و طالبات، السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ، یہ اللہ رب العزت کا بڑا انعام ہے کہ آج یہاں آپ حضرات سے ملاقات کی سعادت

حاصل ہورہی ہے، گذشتہ کئی سالوں سے اس جامعہ کے حضرات کی طرف سے تقاضا تھا، لیکن میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکا۔

مجھے بتایا گیا کہ آج کے اجتماع میں بہت دور دور سے علماء کرام اور طلبہ تشریف لائے ہوئے ہیں، میں ان حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو اتنی دور سے تشریف لائے، اور مجھے اپنی زیارت کا موقع فراہم فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کو اس کی بہترین جزاء دنیا وآخرت میں عطا فرمائے۔ آمین

میں دین کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں اور یہ علماء اور طلباء کا مجمع ہے، اس لئے ان سے کوئی وعظ ونصیحت کی بات کرنا بظاہر گستاخی معلوم ہوتی ہے، لیکن اللہ رب العزت نے ہمیں ایسا عظیم دین عطا فرمایا ہے، جس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر: ۳)

''یعنی اہل ایمان آپس میں ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی اور ایک دوسرے کو صبر کرنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں''

گویا اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ہر مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ دوسرے کو حق اور صبر کی وصیت کرے، اس میں چھوٹے بڑے کی تفریق نہیں کی گئی، چھوٹا بڑے کو کوئی مشورہ دے سکتا ہے، اور بڑا چھوٹے کی خیر خواہی کے لئے اُسے حکم دے سکتا ہے، اس لحاظ سے حضرات علماء کرام کی جلالتِ شان کے باوجود ان کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرنا انشاء اللہ اپنی حدود سے تجاوز نہ ہوگا۔

علم کے فضائل کا ملنا ذمہ داریوں کی ادائیگی پر موقوف ہے

عام طور پر جب علماء اور طلباء کا مجمع ہوتا ہے تو علم اور علماء کرام کے فضائل

کے موضوع پر بات کی جاتی ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اہل علم کی مجلس میں اس موضوع پر بات کرنا تحصیل حاصل ہے، علم دین کی فضیلت جاننے کے لئے یہ حدیث یاد رکھنا کافی ہے کہ :

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهُ

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن کریم کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو سکھائے''

اللہ رب العزت کا انتہائی فضل و کرم اور احسان ہے کہ اس نے محض اپنے فضل سے ہمیں اس بہترین مشغلے میں لگایا ہوا ہے، یہ احسان ایسا ہے کہ اس کے شکر کا حق ادا نہیں ہوسکتا، لیکن علماء کرام کے جتنے زیادہ فضائل ہیں، اتنی ہی زیادہ ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر ہیں، اور ہمارا کام یہ ہے کہ ان فضائل پر نگاہ ڈالنے سے قبل ان ذمہ داریوں کی طرف متوجہ ہوں، کیونکہ ان فضائل کا ملنا ان ذمہ داریوں کی ادائیگی پر موقوف ہے جو ہمارے کندھوں پر ڈالی گئی ہیں، اگر یہ ذمہ داریاں پوری ہو رہی ہیں تو علم کے سارے فضائل ہمارے حصہ میں آتے ہیں، لیکن اگر خدانخواستہ ہم ان ذمہ داریوں کو ادا نہیں کر رہے ہیں تو پھر ہمیں وہ حدیث نہیں بھولنی چاہیے جس میں مذکور ہے کہ جہنم کو سب سے پہلے ایک عالم کے ذریعہ بھڑکایا جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس انجام سے حفاظت فرمائے۔ آمین

باعمل علماء کی نشانی

قرآن کریم میں باعمل علماء کی یہ نشانی بتلائی گئی کہ :

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر : ۲۸)

''یعنی علماء کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں''

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں :

خشیت اللہ را نشانِ علم داں
آیت یخشی اللہ در قرآن خواں

ترجمہ: ''اللہ کی خشیت کو علم کی نشانی سمجھو (اس مقصد کیلئے) قرآن کریم کی آیت ''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ الخ'' کی تلاوت کرو''

دل میں اللہ کی خشیت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت یہ خوف اور کھٹک لگی ہوئی ہو کہ میرا کوئی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو نہیں ہو رہا، اگر دل میں یہ کھٹک لگی ہوئی ہے تو سمجھو کہ واقعی اللہ نے علم عطا فرمایا، لیکن اگر بے فکری ہے، اطمینان ہے اور یہ خیال ہے کہ جو کچھ کر رہا ہوں، ٹھیک کر رہا ہوں، تو اللہ بچائے، اس کے معنی یہ ہیں کہ دل میں خشیت نہیں۔

صرف ''جان لینا'' کافی نہیں

اگرچہ علم کے لغوی معنی ہیں ''جاننا'' لیکن قرآن کریم کی اصطلاح میں صرف ''جاننا'' علم نہیں، بلکہ وہ علم معتبر ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہو، ایسا علم جس کے ساتھ عمل نہ ہو، قرآن کریم کی نظر میں جہل ہے، چنانچہ سورۂ بقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا :

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ

(البقرة: ۱۰۳)

''(یہودی) خوب جان چکے کہ جس نے اختیار کیا جادو کو، اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں'' پھر اسی آیت کے اگلے حصے میں فرمایا:

وَ لَبِئْسَ مَاشَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

''بہت ہی بری چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا، اگر انہیں سمجھ ہوتی''

اس آیت کے ابتدائی حصے میں یہودیوں کے لئے علم کا اثبات کیا گیا، یعنی یہ بتایا گیا کہ یہودی اچھی طرح جانتے ہیں کہ جادو بری چیز ہے، اور دوسرے حصے میں یہ بتادیا کہ انہوں نے بری چیز (یعنی جادو کی قیمت) کے بدلے اپنے آپ کو بیچ ڈالا یعنی اس بری چیز کو اختیار کرلیا، کاش وہ جانتے۔ آیت کے پہلے حصے میں ان کے علم کا اثبات کیا، اور دوسرے حصے میں اُسی چیز کی نفی کردی، گویا یہ بتلادیا کہ انہیں لغوی معنی کے اعتبار سے تو علم حاصل تھا، لیکن علم کی حقیقت کے اعتبار سے اس کا جو تقاضا تھا، وہ ان میں موجود نہیں تھا، لہٰذا علم کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

اگر صرف حروف ونقوش کو جان لینا کافی ہوتا تو

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر صرف حروف ونقوش کا جان لینا کافی ہوتا اور یہ چیز باعث فضیلت ہوتی تو شیطان بہت بڑے مرتبے پر فائز ہوتا، اسلئے کہ ایسا علم اسے بہت

زیادہ حاصل ہے۔ آپ نے امام رازیؒ کا واقعہ تو سنا ہوگا کہ ان کی موت کے وقت ان کے پاس شیطان آیا، اور توحید کے موضوع پر ان سے مناظرہ کیا، جس میں امام رازیؒ کو شکست ہوئی، حالانکہ امام رازیؒ کو علم کلام میں اعلیٰ درجے کی مہارت حاصل تھی، اور ان کی ساری زندگی علمی مناظروں میں گزری۔ تو شیطان کے پاس تو اتنا زیادہ علم تھا، لیکن چونکہ اس کا عمل اس علم کے مطابق نہیں تھا اس لئے وہ راندۂ درگاہ ہوا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''شیطان عالم بھی ہے، عارف بھی، عاقل بھی ہے، لیکن عاشق نہیں'' علم تو اتنا زیادہ کہ امام رازیؒ جیسے متکلم کو شکست دیدی۔ عارف اتنا بڑا کہ جب جنت سے اُسے نکالا جا رہا تھا تو چلتے چلتے یہ دعا مانگ لی :

رَبِّ فَأَنْظِرْنِيْ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (ص:۷۹)

''اے اللہ! مجھے قیامت تک مہلت عطا فرمائیے''

اگر کوئی اور ہوتا، جسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہوتی تو وہ یہ سوچتا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ غصہ میں ہیں، اور مجھے دھتکارا جا رہا ہے، اس وقت اگر کچھ مانگوں گا تو کہیں اور پٹائی نہ ہو جائے، لیکن شیطان جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مغلوب الغضب نہیں ہوتے، لہٰذا اگر کوئی دینے کی چیز ہے تو اب بھی دیدیں گے، اس لئے اس موقع پر بھی اس نے دعا کر ڈالی۔ اور عاقل اتنا زبردست کہ جب اس سے پوچھا گیا کہ تم نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو عقلی جواب دیا کہ :

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (ص:۷۶)

"اے اللہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے"

یعنی چونکہ آگ مٹی سے افضل ہے، اس لئے میں آدم سے افضل ہوں، تو پھر میں اسے سجدہ کیوں کروں، اگر خالص عقل کی بنیاد پر دیکھا جائے تو اس دلیل کو رد کرنا آسان نہیں۔

یہ تین عین تو اس میں جمع تھے کہ عالم بھی تھا، عارف بھی تھا اور عاقل بھی تھا، لیکن ایک عین کی کمی تھی یعنی عاشق نہیں تھا، جس کی وجہ سے وہ تباہ ہوگیا، اگر اس میں اللہ تعالیٰ کا عشق ہوتا تو یہ سوچتا کہ یہ ساری دلیلیں اور عقلی باتیں اللہ کی محبت پر قربان، میں تو یہ دیکھوں گا کہ مجھے یہ حکم کس نے دیا، معلوم ہوا کہ صرف جان لینا کچھ کمال نہیں، بلکہ اصل کمال یہ ہے کہ علم کے تقاضوں پر عمل کیا جائے، اس لئے فرمایا گیا کہ علم کی نشانی یہ ہے کہ دل میں خشیت الٰہیہ ہو اور خشیت کی نشانی یہ ہے کہ ہر وقت دل میں ڈر لگا ہو کہ میرا کوئی عمل اللہ کی مرضی کے خلاف تو نہیں ہو رہا، اور میرے اوپر جو ذمہ داریاں عائد ہو رہی ہیں، ان کی ادائیگی میں مجھ سے کچھ کوتاہی تو نہیں ہو رہی، لہٰذا اپنے اندر ذمہ داری کے احساس کو پیدا کرنے اور اسے مزید ترقی دینے کی ضرورت ہے۔

اہل اللہ کی صحبت بہت ضروری ہے

اس احساس ذمہ داری کو اپنی زندگی میں برپا کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اختیار کی جائے، ہمارے سارے اکابر کا یہ معمول تھا کہ جب مدرسہ سے فارغ التحصیل ہوتے تو کسی اللہ والے کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا علمی مقام کتنا بلند تھا، یہ دونوں حضرات جب مدرسہ سے فارغ التحصیل ہوئے تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو ضابطے کے پورے عالم بھی نہیں تھے، صرف قدوری، کافیہ تک کتابیں پڑھی تھیں۔

کسی نے حضرت نانوتویؒ سے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے، ماشاء اللہ، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اتنا علمی مقام عطا فرمایا ہے، لیکن آپ نے ایک غیر عالم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا شروع کیا، حضرت نے بڑا عجیب جواب دیا، فرمایا کہ ایک شخص ایسا ہے کہ اس نے بادام کے بارے میں بڑی تحقیقات کیں کہ یہ کہاں پیدا ہوتے ہیں، ان کے خواص کیا ہیں، کن کن دواؤں میں استعمال ہوتے ہیں، اور انسان کے کن کن اعضاء کے لئے مفید ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ......لیکن اس نے زندگی میں کبھی بادام کھایا نہیں، اس کے برعکس ایک شخص بادام سے متعلق اتنی تفصیلات تو نہیں جانتا، لیکن روزانہ صبح و شام بادام کھاتا ہے، بتاؤ! دونوں میں سے افضل کون ہے، ظاہر ہے کہ جو عملی طور پر اسکے فوائد حاصل کرتا ہے، وہ افضل ہے۔

یہ مثال دے کر فرمایا کہ ہم نے بادام کے فضائل اور اس کے خواص پڑھے، اس کے بارے میں تحقیقات کیں، لیکن کھایا کبھی نہ تھا، جب حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس پہنچے تو انہوں نے بادام اٹھا کر ہمارے منہ میں رکھ دیئے کہ یہ ہے طریقہ اس علم پر عمل کرنے کا جو تم سیکھ کر آئے ہو۔

دیکھئے! جب قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی بیان فرمائے تو "یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ" کو الگ بیان فرمایا، اور "وَ

یُزَکِّیْہِمْ ‘‘ کو الگ بیان فرمایا، جس میں یہ بتلایا کہ جس طرح قرآن وسنت کی تعلیم دینا آپ کا مستقل فریضہ ہے، اسی طرح ’’تزکیہ‘‘ کرنا بھی آپ کی مستقل ذمہ داری ہے، معلوم ہوا کہ صرف ظاہری علم حاصل کرنا کافی نہیں بلکہ اندر کا تزکیہ کرانا بھی ضروری ہے، اس کے بغیر ظاہری علم نفع مند نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات نقصان کا باعث بنتا ہے، دل کی بیماریاں جیسے تکبر، حسد، ریاکاری، حب جاہ اور حب مال اگر علم کے ساتھ پیدا ہو جائیں تو بڑی تباہی لاتی ہیں، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کھانا جتنا اعلیٰ ہوتا ہے، اگر وہ خراب ہو جائے تو اس میں بدبو بھی اتنی زیادہ پیدا ہوتی ہے، اسی طرح علم کے ساتھ جب یہ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں تو یہ تباہی بھی زیادہ لاتی ہیں۔

اہل اللہ کی خدمت میں جانے کا بنیادی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہاں تکبر فنا کر کے عبدیت پیدا کی جاتی ہے، حب جاہ کو مٹا کر تواضع پیدا کی جاتی ہے، ریاکاری کو ختم کر کے اخلاص پیدا کیا جاتا ہے، اور جب آدمی ان صفات کے ساتھ دین کا کام کرتا ہے تو اس کی خوشبو پوری دنیا میں پھوٹ پڑتی ہے، اس لئے آپ حضرات کی خدمت میں میری پہلی گزارش یہ ہے کہ ہم صرف رسمی تعلیم پر اکتفاء نہ کریں کہ مدرسہ سے فارغ ہوئے، اور اپنے آپ کو کامل سمجھ لیا، بلکہ اپنی اصلاح کے لئے کسی متبع سنت اللہ والے کی خدمت میں حاضر ہوں، اپنے اعمال واخلاق کی اصلاح کی فکر کریں، لیکن جب تک یہ نہ ہو تو میں گزارش کروں گا کہ اس دور میں اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کو اس طریق کا مجدد بنایا ہے، کم از کم ان کے مواعظ اور ملفوظات اپنے مطالعہ میں رکھیں۔

مواعظ اور ملفوظات پڑھنے میں بعض مرتبہ یہ نیت بھی ہوتی ہے کہ اگر کوئی خاص اچھی چیز مل گئی تو جب کہیں وعظ کرنے کا موقع ملے گا تو وہاں لوگوں کو بتائیں گے، لوگ خوش ہوں گے، ہمارے علمی مقام کا اعتراف کریں گے، یہ نیت صحیح نہیں۔ اس سے عملی اعتبار سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا، اس لئے ملفوظات صرف اس نیت سے پڑھنے چاہئیں کہ اپنی اصلاح ہو، اگر کوئی شخص مجھے شخصیت پرستی کا طعنہ دیتا ہے تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں، لیکن میں یہی سمجھتا ہوں کہ اس دور میں اس طریق کی جو فہم اور تفصیلات کا جو انداز اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانویؒ کو عطا فرمایا تھا، اس سے زیادہ عمیق اور دقیق فہم کہیں اور نہیں ملے گی، اسلئے یہ گزارش ہے کہ ان کے مواعظ و ملفوظات کے مطالعے کو بھی اپنا معمول بنائیں۔

علماء ہر چیز میں انبیاء کے وارث ہیں

دوسری گزارش یہ ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے کہ تزکیہ کے معاملے میں کوتاہی کرنے سے ہماری زندگی پر نقصان دہ اثرات مرتب ہو رہے ہیں، ہماری کوششیں بے کار جا رہی ہیں، اور اس علم کے حاصل کرنے سے جو فوائد حاصل ہونے چاہئے تھے، وہ حاصل نہیں ہو رہے۔

ذرا سوچئے! ہر سال وفاق المدارس سے کتنے ہزار طلبہ فارغ التحصیل ہو رہے ہیں، اگر دیکھا جائے تو ہزاروں کی تعداد میں ہر سال طلبہ و طالبات فارغ التحصیل ہوتے ہیں، اگر ان اعداد و شمار کو دیکھو اور ملک کے مختلف حصوں کو بھی جمع کرو تو یقیناً اتنے افراد تیار ہو چکے ہیں کہ اگر ان سب کو پاکستان کی ایک ایک بستی پر تقسیم

کیا جائے تو ہر بستی کے حصے میں دو چار علماء آسکتے ہیں، یہ دو چار علماء وہ ہیں جنہیں ''ورثۃ الانبیاء'' ہونے کا اعزاز حاصل ہے، اور نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ پوری قوم میں اکیلا ہوتا ہے، اور وہ اکیلا ہی پوری قوم کی کایا پلٹ دیتا ہے، جبکہ یہاں اتنی بڑی تعداد میں انبیاء کے وارثین تیار ہو چکے ہیں، لیکن امت کے اندر کوئی بڑی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو! علماء کو انبیا کا وارث قرار دیا گیا ہے، اور جو وارث ہوتا ہے وہ مورث کی جائیداد کی ایک ایک چیز میں وارث ہوتا ہے، اگر مورث نے ایک سوئی بھی چھوڑی ہے، تو وارث کا اس کے اندر بھی حصہ ہوتا ہے، لہٰذا انبیاء کرام نے جو کام چھوڑا، جو جد جہد چھوڑی، اور جو قربانیاں چھوڑی ہیں، وارثان انبیاء کا ان سب میں حصہ ہونا چاہئے، یہ نہیں کہ وارثان انبیاء کہلا کر انبیاء کی جلالت شان میں تو ان کے وارث ہو گئے، لیکن انبیاء کی قربانیوں اور جد جہد کو وراثت میں لینے کے لئے تیار نہیں، اگر اس رواثت کو بھی لیں گے تو صحیح معنوں میں وارث کہلانے کے حقدار ہیں۔

الحمد للہ، اتنی بات تو ضرور ہے کہ علماء کرام کی وجہ سے کچھ نہ کچھ فائدہ تو ضرور ہو رہا ہے، لیکن جتنا ہونا چاہئے تھا، اتنا نہیں ہو رہا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے اندر ذمہ داری کا جو احساس ہونا چاہیے تھا، وہ ویسا نہیں، امت کے لئے جو تڑپ ہونی چاہیے تھی، وہ ویسی نہیں، یہ تڑپ کہ میرا ملک کہاں جا رہا ہے، میری بستی کے لوگ کہاں جا رہے ہیں، ان کے بارے میں غم اور فکر کی جو کیفیت ہمارے دلوں میں ہونی چاہئے تھی، وہ نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بار بار کہنا پڑا :

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشعراء : ۳)

''کیا تم اپنے آپ کو اس بات کی وجہ سے ہلاک کر ڈالو گے کہ وہ ایمان نہیں لاتے''

اور بار بار یہ کہنا پڑا :

اِنْ عَلَیْکَ اِلَّا الْبَلٰغ (الشوریٰ : ۴۸)

تمہاری ذمہ داری صرف پہنچا دینا ہے (اس کے بعد وہ مانتے ہیں یا نہیں مانتے ، یہ تمہاری ذمہ داری نہیں)

اب دیکھئے ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی تڑپ لگی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بار بار تسلی دینی پڑی ، وارث نبی میں اس تڑپ کا سوواں ، ہزارواں حصہ تو ہو ، لیکن حال یہ ہے کہ ہمیں نہ اپنی اصلاح کی تڑپ ہے اور نہ امت کی اصلاح کی فکر ہے۔

مدارس کے معاملات میں تقویٰ اور احتیاط کی ضرورت ہے

ہم آپس میں بیٹھے ہیں ، ذرا تھوڑی دیر کے لئے اس بات کا جائزہ لیں کہ ہم نے جو مدرسے قائم کر رکھے ہیں ، ان کے نظم وضبط اور مالیات کے نظام میں وہ تقویٰ اور احتیاط موجود ہے جس کا مظاہرہ اکابر دیوبند نے فرمایا تھا ، یا مظاہر العلوم اور سہارنپور کے علماء کرام نے فرمایا تھا۔

اکابر کے طرز عمل کی چند مثالیں

مظاہر العلوم کے مہتمم حضرت حافظ عبد اللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا

معمول یہ تھا کہ جب مظاہر العلوم کا سالانہ جلسہ ہوتا اور دور سے آنے والے مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام ہوتا تو پہلے سارے مہمانوں کو کھانا کھلاتے، پھر کھانے کی اس پوٹلی کو کھولتے جو گھر سے اپنے لئے لے کر آئے ہوتے، اس وقت تک وہ کھانا ٹھنڈا پڑ چکا ہوتا، لیکن آپ وہی ٹھنڈا کھانا تناول فرما لیتے، مدرسہ والا کھانا نہ کھاتے، کیوں؟ اس لئے کہ مدرسے کا کھانا چندے کے پیسوں کا ہے، اور یہ چندہ مہمانوں کے لئے آیا ہے، میرے لئے نہیں، اس لئے الگ جا کر کھانا کھالیا۔

دار العلوم دیوبند کے مہتمم مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ دہلی چندہ جمع کرنے کے لئے گئے، وہاں سے دار العلوم کے لئے تین سو روپے ملے، اس زمانے میں تین سو روپے بڑی رقم ہوتی تھی، واپس آ رہے تھے کہ راستے میں جیب کٹ گئی، جب دار العلوم پہنچے تو کہیں سے قرض وغیرہ لے کر یہ رقم دار العلوم میں جمع کرائی، لوگوں نے کہا کہ حضرت! شرعاً آپ پر ضمان نہیں، اس لئے کہ آپ تو امین تھے، اور امین کی کسی تعدی اور تقصیر کے بغیر کوئی نقصان ہو جائے تو اس پر اس کا ضمان نہیں آتا، آپ نے فرمایا ''لیکن میرا اس پر دل مطمئن نہیں ہوتا'' اس وقت دار العلوم دیوبند کے سرپرست حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھے، کسی نے ان کو خط لکھ کر یہ ساری صورتحال بتائی، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعہ خط حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ سے فرمایا کہ شرعی طور پر آپ کے ذمہ ضمان نہیں ہے، اس لئے آپ اس بارے میں فکر نہ کریں، جب یہ خط مولانا رفیع الدین صاحبؒ کے پاس پہنچا تو فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا سارا فتویٰ میرے ہی لئے رہ گیا تھا، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ اگر ان کے ساتھ

یہ معاملہ پیش آیا ہوتا تو وہ کیا کرتے؟ یہ تھا ان کے تقویٰ کا عالم۔

ایک دفعہ مولانا رفیع الدین صاحبؒ اپنی گائے چرا رہے تھے، اچانک دفتر کا کوئی کام یاد آیا تو گائے چراتے چراتے دارالعلوم کے احاطے میں باندھ دی، اور خود دفتر میں چلے گئے، دارالعلوم کے ایک شہزادے آئے، انہوں نے دیکھا کہ گائے بندھی ہوئی ہے تو انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ دارالعلوم دیوبند مہتمم صاحب کی گائے کا اصطبل بن گیا، اب یہاں مہتمم صاحب کی گائے بندھا کرے گی، حضرت باہر آئے اور پوچھا کہ کیا شور ہے، بتایا گیا کہ فلاں صاحب شور مچا رہے ہیں، فرمایا ٹھیک کہہ رہے ہیں، مجھ سے غلطی ہوئی ہے، مدرسہ میری ذاتی جائیداد نہیں ہے، اُسے بلا کر کہا ماشاء اللہ تم نے ٹھیک کہا، لو یہ گائے تم ہی لے جاؤ، وہ بھی اللہ کا بندہ ایسا تھا کہ گائے لے کر چلتا بنا۔

دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جن کے بارے میں حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ انہیں شیخ الہند کہنا ان کی توہین ہے، دراصل یہ شیخ العرب والعجم ہیں، ان کا یہ حال تھا کہ انہیں دارالعلوم دیوبند سے صرف دس روپے تنخواہ ملتی تھی، مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا، اس میں یہ طے کیا گیا کہ حضرت بہت پرانے بزرگ ہیں، ان کی تنخواہ میں اضافہ ہونا چاہیے، چنانچہ تنخواہ دس روپے سے بڑھا کر پندرہ روپے کر دی گئی، جب حضرت کو اطلاع ملی تو حضرت نے مجلس شوریٰ کو سخت خط لکھا کہ آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ آپ میری تنخواہ بڑھا دیں، اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں، اور اب میرے اندر وہ قوت نہیں رہی جو پہلے تھی، لہٰذا تنخواہ بڑھانے کا کوئی جواز نہیں، بلکہ میری درخواست ہے کہ میری تنخواہ کم کر دی جائے۔

غور کیجئے! پوری دنیا میں اس کی کوئی مثال ملے گی؟ آج سب لوگ تنخواہ بڑھانے کی درخواستیں دیا کرتے ہیں، لیکن یہاں تنخواہ گھٹانے کی درخواست دی جارہی ہے۔ یہ سب دیکھنے کے بعد کبھی ہم اپنا جائزہ لیا کریں کہ ہم مدرسے کے چندے کو جس طرح خرچ کرتے ہیں، کیا اس میں احتیاط ملحوظ ہے یا نہیں، اور واقعۃً مدرسہ کو جس تقوی اور طہارت کے ساتھ چلانا چاہیے تھا، اس طرح چلا رہے ہیں یا نہیں، یہ تقوی اُسی ''تزکیہ'' کا حصہ ہے جس کا ذکر پہلے ہوا۔

معاشرت، معاملات اور اخلاقیات پر بھی وعظ کرنے کی ضرورت ہے

تیسری گزارش یہ ہے کہ الحمدللہ، دینی علوم سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ہمیں عوام میں کچھ نہ کچھ بات کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے، لیکن ان بیانات میں عام طور پر عقائد اور عبادات ہی کے موضوع پر گفتگو ہوتی ہے، حالانکہ دین صرف عقائد وعبادات کا نام نہیں، بلکہ اس میں معاشرت بھی ہے، معاملات بھی ہیں، اور باطنی اخلاق بھی داخل ہیں، لیکن ان تین شعبوں پر ہمارے بیانات نہ ہونے کے برابر ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام میں یہ تأثر پیدا ہو رہا ہے کہ دین تو بس نماز روزہ کا نام ہے، جس کی وجہ سے لوگ معاشرت، معاملات اور اخلاق کے معاملہ میں غفلت کا شکار ہیں۔

معاشرت کی اہمیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ

''کامل مسلمان وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں''

یہ حدیث اسلامی معاشرت کا اصل الاصول ہے، جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہمیں اپنے ہر قول و فعل میں اس بات کا اہتمام کرنا پڑے گا کہ ہماری وجہ سے کسی کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔

معاشرت کے احکام سے غفلت کا نتیجہ

ابھی مجھ سے پہلے مولانا صاحب نے مصافحہ کے بارے میں اعلان فرمایا کہ بیان کے بعد مصافحہ کی کوشش نہ فرمائیں، واقعہ یہ ہے کہ جہاں کہیں بیان ہوتا ہے، یہ اعلان کرنا پڑتا ہے، کیوں کرنا پڑتا ہے؟ اس لئے کہ دماغ میں یہ بیٹھا ہوا ہے کہ مصافحہ کرنا بڑی فضیلت کا کام ہے، حالانکہ یہ عمل زیادہ سے زیادہ سنت ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اگر اس سنت کی ادائیگی میں کسی کو تکلیف بھی پہنچائی گئی تو ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہوگا۔

ذرا سوچئے! حجر اسود کو بوسہ دینا کتنی فضیلت کی بات ہے، اس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ ''یہ حجر اسود زمین پر اللہ کا ہاتھ ہے، جس نے حجر اسود کو بوسہ دیا، گویا اس نے اللہ کا ہاتھ چوما'' اتنی بڑی فضیلت والے عمل کے لئے یہ حکم ہے کہ کسی کو دھکا دے کر، یا کسی دوسرے کو تکلیف پہنچا کر حجر اسود کا بوسہ نہ لے، جب حجر اسود کا بوسہ لینے کے لئے کسی کو تکلیف دینا جائز نہیں تو مصافحہ کے لئے دھکم پیل اور ہنگامہ آرائی کیسے جائز ہوگی؟

ایک جگہ میرا بیان ہو رہا تھا، میں مسجد کے ہال میں تھا، لوگ مسجد کے ہال، برآمدے، اور اس کے صحن کے علاوہ باہر دور دور تک موجود تھے، جب بیان ختم ہوا تو مصافحہ کرنے کے لئے سارا مجمع ٹوٹ پڑا، مسجد کا دروازہ چھوٹا تھا، وہاں سے سب لوگ اندر نہیں آسکتے تھے، اس لئے بہت سوں نے کھڑکیوں سے کودنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ مسجد کی کھڑکیاں کودنے کی وجہ سے ٹوٹ گئیں، اس کے علاوہ جو انہوں نے آپس میں دھکم پیل کی، وہ الگ۔ اب دیکھئے! یہ سب کچھ اس لئے کیا جا رہا ہے کہ ذہن میں یہ بیٹھا ہوا ہے کہ مصافحہ کرنا ہر حال میں ضروری ہے، خواہ اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے، یہ ذہن اس لئے بنا کہ معاشرت سے متعلق شریعت کے جو احکامات ہیں، وہ ہم نے اپنے بیانات میں نہیں سکھلائے۔

ہر سال رمی کے موقع پر کچھ نہ کچھ اموات ہو جاتی ہیں، اس کی وجہ یہ نہیں کہ انتظامات ناقص ہوتے ہیں، بلکہ بڑی وجہ یہ ہے کہ رمی کرتے وقت معاشرت سے متعلق شریعت کے احکام پس پشت ڈال دیئے جاتے ہیں، ایک دوسرے کو دھکا دے کر آگے بڑھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اسی طرح ہمارے ہاں پارکنگ میں گاڑی غلط جگہ پارک کی جاتی ہے، جس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ ساری پریشانیاں اس لئے آتی ہیں کہ ہم نے معاشرت والے حصے کو دین سے خارج کر رکھا ہے، اس کے برعکس اہل یورپ میں اگرچہ دیگر ہزار خرابیاں ہیں، لیکن وہ معاشرت کے اصول پر عمل پیرا ہیں۔

یورپ کی ترقی کا راز

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ باطل میں تو ابھرنے کی

طاقت نہیں، وہ تو فنا ہونے کے لئے آیا ہے، لیکن اگر کہیں باطل کو اُبھرتے ہوئے دیکھو تو سمجھو کہ کوئی حق چیز اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے، جس نے اس کو ابھارا ہے۔ اس وقت مغربی اقوام جو ترقی کر رہی ہیں، اس کی وجہ بے دینی اور عریانی نہیں، بلکہ وہ اچھی صفات ہیں، جن کو اختیار کرنے کا اسلام نے حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دار الاسباب بنایا ہے، اس میں ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دیدیا جاتا ہے، البتہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، ان اچھے کاموں میں ایک یہ ہے کہ ان کی زندگیوں میں نظم و ضبط ہے، جہاں بھی تین آدمی کھڑے ہوں گے، فوراً لائن بنالیں گے، ایک دوسرے کو دھکا نہیں دیں گے، صفائی ستھرائی کا بہت اہتمام ہے، ان کے بیت الخلاؤں میں بھی بدبو وغیرہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا، جبکہ انہی ملکوں کی مسجدوں کے بیت الخلاؤں میں داخل ہونا مشکل ہوتا ہے، یہ دیکھ کر دل روتا ہے کہ کافر تو وہ کام کریں جو مسلمانوں کو کرنے چاہئیں، اور مسلمان ان احکام سے بالکل غافل ہوں، اور اس غفلت کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو معاشرت سے متعلق تربیت نہیں دی، اس لئے میری تیسری گزارش آپ حضرات کی خدمت میں یہ ہے کہ ہم اپنے وعظ و بیان میں اور تبلیغ و دعوت میں دین کے دوسرے شعبوں کے ساتھ ساتھ معاشرت، معاملات اور اخلاقیات پر بھی گفتگو کریں۔

ہمارے معاشرے میں عورتوں پر ڈھائے جانے والے مظالم

اور آخری بات جو اسی معاشرت کے سلسلے میں عرض کرنی ہے، یہ ہے کہ ہم جن جن بستیوں اور معاشروں میں رہتے ہیں، وہاں نہ جانے کتنی ایسی غلط رسمیں ہیں

جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں، لیکن جب ہم ان معاشروں میں پہنچتے ہیں تو ان کی روک تھام کے لئے کوشش کرنے کے بجائے خود ان کا حصہ بن جاتے ہیں۔

جن حضرات نے میرے مضامین پڑھے ہیں انہیں معلوم ہوگا کہ میں نے اس موضوع پر کافی مضامین لکھے ہیں کہ مغربی اقوام نے آزادیٔ نسواں کے نام سے جو تحریک چلائی ہے، وہ درحقیقت عورت کے ساتھ بہت بڑا دھوکہ کیا گیا ہے، اسے سبز باغ دکھا کر اس کی عصمت وعفت کو لوٹا گیا ہے، ایک بڑی متدین اور پردہ نشین عورت نے مجھے خط لکھا کہ میں نے آزادیٔ نسواں سے متعلق آپ کے مضامین پڑھے ہیں، اب میں آزاد قسم کی عورتوں سے بڑے اعتماد کے ساتھ بات کرتی ہوں اور جو باتیں آپ نے کہی ہیں، ان کی وجہ سے میری باتوں میں بڑا وزن پیدا ہو جاتا ہے، لیکن ایک اہم بات جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتی ہوں، یہ ہے کہ مغرب کی گمراہی اپنی جگہ، لیکن ہمارے معاشرے میں بھی بعض اوقات عورتوں کے ساتھ ایسی زیادتیاں اور ظلم ہوتے ہیں، جو شریعت کے بالکل خلاف ہیں، اور علماء کرام ان کے خلاف بالکل آواز نہیں اٹھاتے، اس نے اس کی بہت سی مثالیں لکھیں۔ پھر مجھے یاد آیا کہ ایک زمانے تک میں بھی عدالت میں رہا ہوں، بہت سے مقدمات میرے سامنے آتے رہے ہیں، فتویٰ کا کام پینتالیس سال سے کر رہا ہوں تو استفتاء بھی بہت آتے رہے ہیں، اور دن رات یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ عورتوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جا رہے ہیں، مثلاً باپ نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر بیٹی سے اجازت لئے بغیر اس کی شادی کر دی، بیٹی کو یہ بات کہنے کی اجازت نہیں کہ فلاں رشتہ مجھے پسند نہیں، یہ بات باپ کی غیرت کے خلاف ہے، وہ

قتل کرنے کے لئے آمادہ ہوجاتا ہے کہ تجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ تو میرے فیصلے کے خلاف زبان کھولے، نتیجہ یہ کہ اس بیچاری کی ساری زندگی جہنم بن جاتی ہے۔

اسی طرح یہ بھی عام رواج ہے کہ بیٹی کو ترکہ میں سے کوئی حق نہیں دیا جاتا، اسی طرح عورت اگر بیوہ ہوجائے تو اس کے لئے دوسرے نکاح کو انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے، بالکل ایسا جیسے کفر۔ ایک مرتبہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بیواؤں کے نکاح کے بارے میں تقریر کررہے تھے تو ایک آدمی نے کھڑے ہوکر کہا کہ آپ دوسروں کو تو بڑی تبلیغ کرتے ہیں، خود آپ کے گھر میں آپ کی بہن بیوہ بیٹھی ہوئی ہے، اس کا نکاح کیوں نہیں کرتے؟ آپ کی بہن کی عمر ساٹھ پینسٹھ سال بلکہ اس سے بھی زیادہ تھی، اور شاید وہ نکاح کے قابل بھی نہ رہی تھی، لیکن اعتراض کرنے والے نے اعتراض کردیا۔

حضرت وہاں سے اٹھ کر بہن کے پاس گئے، اور ان کے پاؤں پکڑ لئے کہ خدا کے لئے میری لاج رکھ لو اور نکاح کرلو، چنانچہ ان کا نکاح کروادیا۔ تو معاشرے میں جو رسمیں شریعت کے خلاف رائج تھیں، ہمارے بزرگوں نے ان کے خلاف جہاد کیا، لیکن ہم اپنے معاشرے میں ان رسموں کے خلاف آواز اُٹھانے کے بجائے ان کے اندر بہہ جاتے ہیں۔

وراثت میں زبانی معافی کا اعتبار نہیں

دیکھئے! کراچی سے لے کر پشاور تک، اور کوئٹہ سے لے کر طورخم تک، جہاں کسی کا انتقال ہوتا ہے، اس کا سارا ترکہ اس کے بیٹے لے جاتے ہیں، بیٹیوں کو

وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا، لیکن ہم نے کتنی مرتبہ اس کے خلاف آواز اُٹھائی؟ کتنی مرتبہ اپنے وعظ میں یہ مسئلہ بیان کیا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری بہنوں نے اپنا حصہ بخش دیا، اول تو بخشا نہیں ہوتا، بلکہ بہن کو پتہ ہوتا ہے کہ اگر میں نے ذرا سی زبان کھولی تو میرا بھائی میری زندگی عذاب کر دے گا، اور دوسری بات یہ ہے کہ ترکے کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی وارث زبان سے کہہ بھی دے میں نے بخش دیا تو وہ بخشا معتبر نہیں، معتبر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے اس کا حصہ اس کے قبضے میں دو، اس پر قبضہ کرنے کے بعد اگر وہ اپنی خوشدلی سے تمہیں کچھ دینا چاہے تو دیدے، اس لئے لوگوں کا یہ حیلہ سراسر غلط اور خلاف شریعت ہے۔

یہی حال مہر کا ہے کہ نکاح کے وقت تو بھاری مہر مقرر کر لیتے ہیں، اور دینے کی نیت ہوتی نہیں، جب بیچاری کے مرنے کا وقت آپہنچا تو اس وقت اسے کہتے ہیں کہ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو، اب بیچاری کیا کہے کہ میں معاف نہیں کرتی، ظاہر ہے کہ اس موقع پر وہ زبان سے معاف کر دیتی ہے، لیکن یہ معافی شرعاً معتبر نہیں۔

ان مظالم پر بھی گفتگو کرنا ضروری ہے جو ہماری عورتوں پر کئے جاتے ہیں

مغرب نے عورتوں کو جو آزادی دی ہے، ہم بعض اوقات اس کے خلاف تو بولتے ہیں، اور بولنا بھی چاہیے، لیکن اس آزادی کا ایک سبب وہ ظلم بھی ہے جو ہمارے ہاں عورتوں سے ساتھ روا رکھا جارہا ہے، اس لئے اس آزادی کے خلاف آواز اٹھانے کے ساتھ ساتھ ان مظالم کے بارے میں گفتگو کرنا بھی ضروری ہے،

جن کی چکی میں ہماری مشرقی عورتیں پس رہی ہیں۔

یہ چند ضروری گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کی ہیں، اور پیش نظر یہی ہے کہ ہم ان پہلوؤں کی طرف بھی توجہ دیں اور ان ذمہ داریوں کو بھی ادا کریں تا کہ معاشرے کے اندر ہم وہ تبدیلی لانے کا ذریعہ بن سکیں جو شریعت میں مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو شریعت پر صحیح صحیح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین

ہر کام

اللہ کی رضا کے لئے کیجئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب	:	جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال، کراچی
وقت خطاب	:	بعد نماز عصر
اصلاحی خطبات	:	جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَرَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کیجئے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ کَانَ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ حَتّٰی تَتَفَطَّرَ قَدَمَاہُ فَقُلْتُ لَہٗ: لِمَ تَصْنَعُ ھٰذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ، قَالَ: اَفَلَا اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا

(بخاری شریف، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک، حدیث نمبر ۴۸۳۷)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقام

یہ ایک حدیث ہے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس امت پر یہ

احسان عظیم ہے کہ تقریباً دین کا آدھا نہیں تو کم از کم ایک تہائی حصہ ہم تک ان کی معرفت پہنچا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تعلق بھی اس بناء پر زیادہ تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ذہانت، ذکاوت اور سمجھ بھی غیر معمولی عطا فرمائی تھی، وہ چونکہ ہر وقت گھر میں رہتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول وفعل کو، آپ کی ایک ایک ادا کو دیکھتی تھیں، اور بصیرت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں، اس واسطے دین کی جتنی باتیں ان کو معلوم تھیں، بہت سے دوسرے بڑے بڑے صحابہ کرام کو معلوم نہیں تھیں، تو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، دین کا علم حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس حاضر ہوا کرتے تھے، خاص طور پر وہ باتیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنتیں جو گھریلو زندگی سے متعلق ہیں، وہ زیادہ تر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہیں، یہ حدیث بھی انہیں میں سے ہے۔

آپ کی تہجد کی نماز کا طویل ہونا

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت میں جب تہجد کی نماز میں کھڑے ہوتے تو اتنی محنت فرماتے تھے اور اتنا طویل اور لمبا قیام ہوتا تھا کہ کھڑے کھڑے آپ کے پائے مبارک پھٹ جاتے تھے، بعض دوسری روایتوں میں الفاظ یہ آئے ہیں کہ:

"حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ"

(بخاری، کتاب التھجد، باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل، حدیث نمبر ۱۱۰۳)

کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا تھا، ویسے تو آپ نے سنا ہوگا کہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر تہجد کی نماز میں آٹھ رکعت پڑھا کرتے تھے، اور تین رکعتیں وتر کی، اس طرح کل گیارہ رکعتوں کا معمول تھا لیکن وہ آٹھ رکعتیں کیسی ہوتی تھیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ :

"فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ"

(بخاری، کتاب التهجد، باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل، حدیث نمبر ۱۱۳۰)

کہ ان رکعتوں کے حسن و جمال اور ان کے طویل ہونے کے بارے میں پوچھو نہیں یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ ہیں، یعنی ہمارے لئے ممکن نہیں ہے کہ اس نماز کے حسن کو اور لمبائی کو بیان کریں، ہمارے پاس اس کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں۔

آپ کی تہجد کی نماز کو دیکھوں

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، جو مشہور صحابہ کرام میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرا دل چاہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تہجد کی نماز میں شامل ہوں، دن کی پنج وقتہ نمازوں کو تو بار بار دیکھنے کا موقع ملتا رہتا ہے، لیکن رات کی نماز چونکہ گھر میں پڑھی جاتی ہے اس کو دیکھنے کا موقع نہیں ملتا تھا اس لئے خیال ہوا کہ کسی دن گھر جا کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز دیکھی جاتے اور جب وہاں جا کر نماز دیکھنے کا خیال آیا تو سوچا کہ آپ ہی کی اقتداء میں تہجد کی نماز کیوں نہ پڑھ لیں اور بحیثیت مقتدی کے نیت باندھ کر ہم بھی شامل ہو جائیں۔

(مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب استحباب طویل القراۃ فی صلوۃ اللیل، حدیث نمبر ۷۷۲)

نفلوں کی جماعت جائز نہیں

یہاں یہ مسئلہ عرض کردوں کہ ویسے تو نفلوں کی جماعت جائز نہیں، کوئی نفلی نماز

ہو چاہے تہجد کی نماز ہو یا کوئی اور نفلی نماز ہو، البتہ اتفاقی طور پر ایک دو آدمی کسی اہتمام کے بغیر کسی کے پیچھے نیت باندھ کر کھڑے ہو جائیں تو اس کی اجازت ہے۔ عام طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز تنہا پڑھا کرتے تھے کبھی کوئی صحابی پیچھے آکر کھڑے ہو گئے اور نیت باندھ لی تو ایک دو آدمی کی حد تک ایسا ہو جاتا تھا لیکن تہجد کی بڑی جماعت کا کرنا، باقاعدہ اہتمام کے ساتھ، لوگوں کو دعوت دیکر، اشتہار کر کے، اعلان کر کے جماعت کرنا، شرعاً اس کی اجازت نہیں، یہ ہمارے یہاں شبینے کا رواج چل نکلا ہے کہ باقاعدہ شبینے ہوتے ہیں، ان کا اشتہار اور اعلان ہوتا ہے کہ قرآن کریم نفلوں میں باقاعدہ جماعت کے ساتھ ختم کیا جائیگا، یہ ناجائز ہے اور مکروہ تحریمی ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں

میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ اللہ جل جلالہ کے حکم کی اتباع اور اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کا نام دین ہے۔ یہ ہے "دین"۔ اور یہ سوچنا کہ صاحب! اس بہانے لوگ ذرا جمع ہو جاتے ہیں اور مسجد میں آجاتے ہیں اور رونق بھی ہو جاتی ہے، اور یہ فائدہ ہوتا ہے، اور وہ فائدہ ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں اللہ اور اسکے رسول کے احکام اور سنت کے خلاف ہے، اور جو کام سنت کے خلاف ہے اس میں خیر نہیں ہو سکتی، اس لئے یہ فعل ناجائز ہے۔ ہاں! اگر اکا دکا کوئی آکر نفل پڑھنے والے نیت باندھ لیں، جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں کھڑے ہوئے تھے، اور حضرت حذیفہ ابن

یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں آپ کی تہجد کی نماز دیکھنے کی خواہش ہوئی، اور وہ جا کر نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے، یہ جائز ہے۔

حضور کی تلاوت کا خوبصورت انداز

بہر حال؛ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں شوق میں کھڑا تو ہو گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنی شروع کی تو پہلی رکعت میں سورۃ بقرہ کی تلاوت شروع کر دی، اور تلاوت بھی آجکل کے لوگوں کی طرح نہیں کہ اگر تلاوت لمبی کرنی ہو تو گھاس کاٹنا شروع کر دیتے ہیں، بلکہ فرمایا کہ "یُرَتِّلُهَا" ٹھہر ٹھہر کر، اطمینان سے، ترتیل کے ساتھ تلاوت شروع کی، اور تلاوت بھی اس شان سے جب کوئی رحمت کی آیت آتی جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر ہوتا تو آپ تھوڑی دیر ٹھہر کر اللہ سے دعا کرتے یا اللہ! جس رحمت کا ذکر آپ فرما رہے ہیں، وہ مجھ کو عطا فرما دیں، جب کوئی عذاب کی آیت آتی تو اس پر ٹھہر کر پناہ مانگتے کہ یا اللہ! جس عذاب کا آپ ذکر فرما رہے ہیں میں اس سے پناہ مانگتا ہوں، اور جب کوئی تسبیح کی آیت آتی جس میں یہ ذکر ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو، تو آپ ٹھہر کر اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہوئے "سبحان اللہ" فرماتے، اور جب کوئی آیت ایسی آتی جس میں اللہ کی حمد کرنے کا حکم ہوتا تو آپ ٹھہر کر اللہ کی حمد فرماتے، چنانچہ نفلی نمازوں کے اندر ایسا کرنا جائز ہے، البتہ فرض نمازوں میں ایسا نہیں کرنا چاہئے، لہٰذا جو شخص معنیٰ سمجھتا ہو اس کو چاہئے کہ اگر قرآن پڑھتے ہوئے جنت کا ذکر آ رہا ہے تو سنت یہ ہے کہ اس جگہ پر ٹھہر جائے اور اللہ تعالیٰ سے دل ہی دل میں دعا مانگے کہ یا اللہ! یہ

آپ جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر فرما رہے ہیں، اپنی رحمت سے مجھے عطا فرما دیجئے، جب دوزخ یا اس کے عذاب کا ذکر آئے تو ٹھہر جائے، اور دل ہی دل میں دعا مانگے کہ یا اللہ! مجھے اس سے محفوظ فرما دیجئے۔

آپ بھی اس طرح تلاوت کریں

یہ عمل نفلی نمازوں میں کرنا چاہئے، خاص طور پر تہجد کی نماز میں یہ کرے۔ جو مسلمان قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہو، چاہے اسے عربی نہ آتی ہو، لیکن اتنا تو پتہ لگ ہی جاتا ہے کہ یہاں جنت کا ذکر ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے جنت کا ذکر اتنی جگہ کیا ہے کہ: "جَنّٰتٍ تَجْرِی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰر" اتنا زیادہ کیا ہے کہ ایک عام آدمی بھی اتنا سمجھ لیتا ہے کہ یہاں جنت کا ذکر ہو رہا ہے، وہاں جب پہنچے تو اس جگہ پر رک کر دل ہی دل میں دعا کرے۔ دل ہی دل میں اسلئے کہہ رہا ہوں کہ اپنی زبان میں اگر مانگیں گے تو وہ جائز نہیں، عربی میں تو دعا مانگ سکتے ہیں، لیکن اردو میں اپنی زبان میں دعا مانگنا جائز نہیں، اور عربی بنے گی نہیں۔ اس واسطے دل دل میں دعا مانگ لے، زبان سے نہ کہے۔ یا اللہ! یہ نعمتیں جنکا آپ ذکر فرما رہے ہیں یہ آپکا کرم ہے، آپکا انعام ہے اے اللہ! میں بھی انکا محتاج ہوں، اپنی رحمت سے مجھے بھی عطا فرما دیجئے، اور جس عذاب کا ذکر فرما رہے ہیں، میں بھی اس سے ڈرتا ہوں، اے اللہ! مجھے اس سے بچا لیجئے۔

دو رکعت میں سوا پانچ پاروں کی تلاوت

غرض یہ کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پیچھے کھڑا ہوا تھا، اور اس شان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہو رہی تھی۔ یہاں تک کہ

آپ نے سورۃ بقرہ کی سو آیتیں تلاوت فرمالیں، مجھے خیال ہوا کہ اب شاید آپ رکوع فرمائیں گے، کچھ تھکن بھی ہونے لگی، لیکن فرماتے ہیں کہ "فمضٰی" سو آیتیں پوری ہونے کے باوجود آپ گزر گئے اور رکوع نہیں فرمایا، یہاں تک دو سو آیتیں ہو گئیں، اس وقت خیال آیا کہ شاید اب رکوع فرمائیں گے لیکن "فمضٰی" آپ نے تلاوت جاری رکھی، رکوع نہیں فرمایا یہاں تک کہ جب پوری سورۃ بقرۃ مکمل ہونے لگی تو مجھے خیال آیا کہ ایک رکعت میں آپکا پوری سورۃ بقرۃ پڑھنے کا ارادہ تھا لہٰذا اب آپ رکوع فرمادیں گے۔ لیکن جب سورۃ بقرۃ ختم ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ آل عمران اسی انداز اور اسی شان سے شروع فرمادی۔ یہاں تک کہ آپ نے پوری سورۃ آل عمران ختم فرمائی۔ اس کے بعد رکوع فرمایا۔ غالباً ایسا ہی یاد پڑتا ہے کہ پہلی رکعت کا رکوع سورۃ آل عمران پر اور دوسری رکعت کا رکوع سورۃ نساء پر فرمایا۔ تو دو رکعت میں سورۃ بقرۃ، سورۃ آل عمران اور سورۃ نساء کی تلاوت فرمائی۔ جسکے معنی یہ ہوئے کہ دو رکعت میں تقریباً سوا پانچ پارے تلاوت فرمائے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں ویسے تو آٹھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے لیکن اس شان سے پڑھا کرتے تھے۔ اب بتائیے کہ جب دو رکعتوں کا یہ عالم ہے تو کھڑے کھڑے آپ کا کیا عالم ہوتا ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ آپ اتنا طویل قیام فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔

خیال آیا کہ نماز توڑ کر چلا جاؤں

ایک اور صحابی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

تہجد کی نماز دیکھنے چلا گیا میں اسی طرح پیچھے کھڑا ہو گیا، فرماتے ہیں کہ آپ نے اتنا طویل قیام فرمایا کہ میرے دل میں برے خیالات آنے لگے، بعد میں فرمایا کہ میرے دل میں یہ خیالات آنے لگے کہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر تہجد کی نماز پڑھو۔ نماز توڑ کر چلے جاؤ، یہ خیال دل میں آنے لگا۔

(بخاری شریف، کتاب التہجد، باب طول القیام فی صلاۃ اللیل، حدیث نمبر ۱۱۳۵)

رکوع اور سجدے بھی طویل ہوتے

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا روزانہ یہ منظر دیکھا کرتی تھیں، کہ آپ اتنا طویل قیام فرماتے ہیں اور پھر یہ نہیں کہ قیام ہی میں سارا زور خرچ ہو گیا، بلکہ فرمایا کہ جب آپ رکوع فرماتے تو:

"رَكَعَ مِثْلَ قِيَامِهِ أَوْ أَطْوَلَ"

(سنن النسائی، کتاب الکسوف، باب التشھد والتسلیم فی صلاۃ الکسوف، حدیث نمبر ۱۴۹۲)

کہ رکوع بھی یا تو قیام کے برابر لمبا ہوتا، یا اس سے بھی زیادہ لمبا ہوتا، اور جب سجدہ فرماتے تو وہ سجدہ رکوع کے برابر طویل ہوتا یہاں تک کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے تو آپ نے اتنا طویل سجدہ فرمایا کہ میرے دل میں یہ خیال گزرنے لگا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک قبض ہو گئی ہو۔ یہ خیال اس لئے آیا کہ جب آپ نماز پڑھتے تو نماز کے بارے میں قرآن کریم میں حکم یہ ہے کہ:

"وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ" (البقرۃ: ۲۳۸)

اللہ کے سامنے جب کھڑے ہو تو قنوت کے ساتھ بے حس و بے حرکت کھڑے ہونا چاہئے اعضاء کو حرکت نہیں ہونی چاہئے، کھڑے ہو یا رکوع میں ہو، یا سجدے میں ہو، جتنا ہو سکے اعضاء کو دوسری حرکتوں سے بچا کر ساکت اور صامت ہو کر نماز پڑھو۔

نماز میں اعضاء کو ساکن رکھنا چاہئے

آجکل ہمارے یہاں اس میں بڑی بے احتیاطی ہوتی ہے کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو بلاوجہ فضول حرکتیں ہو رہی ہیں، بار بار ہاتھ اٹھا رہے ہیں، بار بار کھجا رہے ہیں، بار بار سر کو حرکت ہو رہی ہے، یہ آداب نماز کے خلاف ہے، نماز میں جتنا ہو سکے، بے حس و حرکت انسان کھڑا رہے، یا سجدے میں ہو یا رکوع میں ہو، چھوٹی نماز ہو یا بڑی نماز ہو، اس میں انسان اپنے آپکو حتی الامکان سکون کی حالت میں رکھنا چاہئے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔

آپ کی روح مبارک تو قبض نہیں ہوگئی؟

بہرحال: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا طویل سجدہ فرمایا اور اس میں کوئی حرکت نہیں کی، نہ پاؤں کو حرکت دی، نہ ہاتھ کو اور نہ جسم کو کوئی حرکت دی۔ اسلئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خطرہ ہونے لگا کہ کہیں آپکی روح مبارک قبض تو نہیں ہوگئی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر آپکے پاؤں کے انگوٹھے کو ہلا کر دیکھا۔ بہرحال؛ اتنا طویل سجدہ آپ نے فرمایا۔ حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا روزانہ آپکی یہ محنت اور مشقت دیکھتی تھیں۔

آپ کیوں اتنی مشقت اٹھا رہے ہیں؟

ایک دن انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ: آپ کیوں اپنی نماز میں، قیام میں، رکوع میں، سجدے میں، اتنی محنت اور مشقت اٹھا تے ہیں، حالانکہ اللہ جل شانہ قرآن کریم میں اعلان فرما چکے ہیں کہ:

"لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ"

(الفتح: ۲)

کہ اول تو آپ معصوم ہیں، آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا۔ لیکن بالفرض کوئی آپ سے بھول چوک ہوجائے تو اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا کہ آپ کی اگلی پچھلی تمام بھول چوک معاف ہیں۔ گویا کہ اس کے ذریعہ یہ اعلان فرما دیا کہ آپ کے لئے جنت کی ضمانت ہے، اور اس میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا کہ اس آیت کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جنت کی ضمانت ہے، اور اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی ضمانت ہے، اور جب یہ بات ہے تو آپ اتنی محنت اور مشقت کیوں اٹھاتے ہیں کہ آپ کے پاؤں پر ورم آرہا ہے، اتنا طویل قیام ہورہا ہے، اتنا طویل رکوع ہورہا ہے، اتنا طویل سجدہ ہورہا ہے۔

امامت کے وقت ہلکی پھلکی نماز پڑھاتے

یہاں یہ بات بھی سمجھ لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول نفلی نمازوں میں تھا، جو آپ گھر کے اندر پڑھا کرتے تھے، اور تنہا پڑھا کرتے تھے، البتہ جو نماز جماعت کے ساتھ ہوتی، یعنی فرض نماز جسکی آپ امامت بھی کیا کرتے تھے، اس کے

بارے میں آپ کا حکم اور معمول یہ تھا کہ :

إِذَا اَمَّ اَحَدُ کُمُ النَّاسَ فَلْیُخَفِّفْ

(صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب امر الأمة بتخفیف الصلاة، حدیث نمبر ۷۶۶)

کہ جو شخص تم میں سے امامت کرے، وہ ہلکی پھلکی نماز پڑھائے، اس میں لمبا لمبا قیام، لمبا رکوع، لمبا سجدہ نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے کہ جماعت میں کوئی بوڑھا ہوتا ہے، کوئی کمزور ہوتا ہے، کوئی حاجت ہوتا ہے، اس کو جلدی سے نماز سے فارغ ہونے کی حاجت ہوتی ہے، اس لئے جماعت کی نماز کے بارے میں تو آپ کا حکم یہ تھا، اور خود آپ کا طرز عمل بھی یہی تھا کہ نماز ہلکی پھلکی پڑھاتے۔

میں نماز کو اور مختصر کر دیتا ہوں

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض اوقات میں نماز پڑھاتا ہوا ہوتا ہوں (اس زمانے میں خواتین بھی جماعت کی نماز میں شرکت کے لئے مسجد آیا کرتی تھیں) اور نماز کے دوران کسی بچے کے رونے کی آواز آجاتی ہے تو میں اپنی نماز کو اس خیال سے اور مختصر کر دیتا ہوں کہ کہیں اس کی ماں پریشان ہو رہی ہوگی، اور اگر میں نے نماز لمبی کر دی تو اس کی ماں کی پریشانی میں اضافہ ہوگا کہ میرا بچہ رو رہا ہے، اس لئے میں جلدی نماز ختم کر دیتا ہوں۔ تو جب دوسروں کے لئے امامت کر رہے ہیں تب تو اتنی ہلکی پھلکی نماز ہے، اس نماز میں عورتوں کا لحاظ ہے، بچوں کا بھی لحاظ ہے، بوڑھوں کا بھی لحاظ ہے۔ لیکن جب خود تنہائی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں تو اس وقت نماز کے

طویل ہونے کا یہ عالم ہے۔

(بخاری شریف، کتاب الاذان، باب من اخف الصلاۃ عند بکاء الصبی، حدیث نمبر ۷۰۶)

ہمارا معاملہ الٹا ہوتا جارہا ہے

اللہ بچائے! ہمارا معاملہ الٹا ہوتا جارہا ہے، اگر ہمیں کبھی نماز پڑھانے کا موقع مل جائے تو اطمینان سے لمبی نماز پڑھاتے ہیں اور اگر ہم تنہا اکیلے میں نفلی نماز پڑھیں تو وہ جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اس کے برعکس تھا۔

کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

بہرحال؛ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ کے لئے تو سب کچھ معاف ہو چکا، اور آپ کو تو جنت کی اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی گارنٹی دی جا چکی، پھر آپ اتنی محنت اور مشقت کیوں اٹھا رہے ہیں؟ جواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جملہ ارشاد فرمایا:

"اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا"

(مسلم شریف، کتاب صفۃ القیامۃ، باب اکثار الاعمال والاجتہاد، حدیث نمبر ۲۸۲۰)

اے عائشہ! یہ تو ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرمایا کہ میری اگلی اور پچھلی تمام بھول چوک معاف فرمادیں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں! جس مالک نے مجھ پر یہ کرم فرمایا، اس مالک کا شکر ادا کرنا بحیثیت ایک بندے کے میرا کام ہے۔ تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ لہٰذا یہ جو میں اتنی طویل نماز پڑھ رہا ہوں، اور محنت اٹھا رہا ہوں، یہ اس لئے تاکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا

ہو جائے۔

یہ مشقت جنت کے حصول کے لئے نہیں تھی

یہ حدیث اور آپ کا یہ ارشاد آپ حضرات نے پہلے بھی سنا ہوگا۔ اس لئے کہ یہ مشہور حدیث ہے، لیکن اس حدیث میں جس عظیم حقیقت کی طرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ دلائی، وہ ہم سب کے لئے سبق آموز ہے اور یاد رکھنے اور سمجھنے کی ہے۔ وہ یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت اور آپ کا محنت اٹھانا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا، یہ سب کچھ صرف جنت کے حصول کے لئے، یا دوزخ سے بچنے کے لئے نہیں تھا۔ اگر صرف جنت کے حصول کے لئے ہوتا تو آپ کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی جنت میں جانے کی ضمانت موجود تھی، اس کے لئے تو اتنی محنت اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی، اسی وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دل میں سوال پیدا ہوا۔

اللہ کی رضا کا حصول مقصود تھا

لہٰذا یہ ساری محنت اور مشقت اٹھانا اللہ تعالیٰ کے مقام رضا، اور مقام قرب اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے تھا، جن کی نگاہ حقیقت پر ہوتی ہے، ان کی نگاہ جنت اور دوزخ پر نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ جنت اور دوزخ کسی اور چیز کے عنوانات ہیں، ''جنت'' اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا عنوان ہے اور ''دوزخ'' اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی ناراضگی کا عنوان ہے۔ ایسے بندوں کو اصل فکر اس بات کی ہوتی ہے کہ میرا مالک مجھ سے ناراض نہ ہو جائے، میرا مالک مجھ سے راضی ہو جائے، اس کی

رضامندی حاصل ہو جائے، وہ خوش ہو جائے، اگر وہ جنت نہ بھی دے، ''اعراف'' میں رکھے تو بھی وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہیں۔ حقیقت میں ان بندوں کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضامندی، اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کا قرب، اور اس کی طرف توجہ اور اس کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

جنت بذاتِ خود مقصود نہیں

جنت کی نعمتیں بلاشبہ بڑی نعمت ہے، اور مانگنے کی چیز ہے، لیکن وہ جنت اس لئے محبوب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا عنوان ہے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا عنوان ہے، اس لئے جنت مانگتے ہیں، ورنہ اصل میں ان کی نظر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طرف ہوتی ہے۔ دوزخ سے ڈر اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا عنوان ہے، اللہ تعالیٰ کے غضب کا عنوان ہے، اس لئے اس سے ڈرتے ہیں۔ ورنہ اصل خوف اس بات کا ہوتا ہے کہ جس مالک نے مجھ پر انعامات کی اتنی بارشیں برسائی ہیں اور جس نے مجھے پیدا کیا ہے، وہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے، اس کی رضا میں فرق نہ آئے۔ بہرحال، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ جنت کی گارنٹی مل چکی ہے، لیکن اس کے باوجود آپ عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا

حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ، بڑے درجے کی اولیاء اللہ میں سے ہیں، خاتون ہیں، لیکن ایسی خاتون ہیں کہ ہماری تاریخ میں جن کی مثال ملنا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ نے انکو ولایت کا بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا، بہت عبادت کیا کرتی تھیں،

اللہ تعالیٰ کی محبت ان کے قلب میں اس قدر غالب تھی کہ دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غرق رہتیں اور بعض اوقات غلبۂ حال کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

آپ کا سامنا کرتے ہوئے شرم آتی ہے

ایک مرتبہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، خدا جانے یہ زیارت خواب میں ہوئی یا جاگتے میں ہوئی۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو حضرت رابعہ نے کچھ شرمندگی کا اظہار فرمایا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے آپ کا سامنا کرتے ہوئی شرم آتی ہے، اس لئے کہ میں اپنے دل میں اللہ جل شانہ کی محبت اتنی زیادہ محسوس کرتی ہوں کہ آپ کے ساتھ اس درجہ کی محبت معلوم نہیں ہوتی۔ اس لئے مجھے آپ کا سامنا کرتے ہوئے شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔ جواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رابعہ: یہ جو تم کہہ رہی ہو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت دل پر اتنی غالب ہے تو حقیقت میں وہ میری محبت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت میری محبت ہے، اور میری محبت اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، دونوں محبتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، کبھی اللہ کی محبت کی غلبہ محسوس ہوتا ہے، اور کبھی میری محبت کا غلبہ محسوس ہوتا ہے، حقیقت میں دونوں ایک چیز ہیں۔ کیوں؟

دونوں محبتیں ایک ہی ہیں

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کہاں سے آئی؟ اللہ تعالیٰ کی معرفت تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاصل ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس کی اطاعت کرنی ہے، اور اطاعت رسول بھی

اس کا لازمی حصہ ہے، لہٰذا طبعی طور پر تمہارے دل میں جو خیال آ رہا ہے کہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہے، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اتنی نظر نہیں آتی، اصل میں یہ تمہارا وہم ہے، اصل میں تو وہ ایک ہی محبت ہے، چاہے اس کو اللہ کی محبت کہلو، یا رسول کی محبت کہلو، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

مخلوق کو راضی کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں

قرآن کریم کی ایک آیت میں منافقین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ منافقین کا حال یہ ہے کہ یہ مخلوق کی رضامندی کی فکر کرتے ہیں، اور یہی فکر ان کے دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ، وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ (توبہ ۶۲)

یعنی یہ منافقین مسلمانوں کے سامنے اللہ کے نام پر قسمیں کھاتے ہیں تا کہ مسلمانوں کو راضی کرلیں، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ان کو راضی کیا جائے، اگر وہ لوگ سچے مسلمان ہیں۔ یعنی مخلوق کو راضی کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، حالانکہ ان کو چاہئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو راضی کریں۔

اللہ راضی تو رسول بھی راضی

اس آیت میں الفاظ یہ ہیں:

"وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ"

یعنی اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا زیادہ بہتر تھا، یہاں پر عربی قاعدے

کے لحاظ سے یہ الفاظ ہونے چاہئے تھے، "وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُمَا"،
یعنی اللہ کو راضی کریں، اور اس کے رسول کو راضی کریں۔ دو کا ذکر ہے، اور عربی
زبان میں دو کی اشارہ کرنے کے لئے تثنیہ کی ضمیر لائی جاتی ہے، وہ ہے "هُمَا"، لیکن
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مفرد کی ضمیر لائے، اور یوں فرمایا کہ اللہ اور اس کے
رسول اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ "اس کو" راضی کریں۔ "ان کو" کے الفاظ نہیں
لائے۔ حضرات مفسرین نے اس کے تحت فرمایا کہ واحد کی ضمیر درحقیقت اس وجہ
سے لائے کہ اگرچہ اللہ اور اس کے رسول دیکھنے میں الگ الگ ہیں لیکن رضامندی
کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں۔ اگر تم اللہ کو راضی کرلو تو رسول بھی راضی، اور اگر رسول
کو راضی کرلو تو اللہ بھی راضی۔ اگر دل میں اللہ کی محبت ہوگی تو رسول کی محبت بھی خود
بخود دل میں آجائیگی۔ اور اگر دل میں رسول کی محبت ہوگی تو اللہ کی محبت بھی خود بخود دل
میں آجائیگی۔ دونوں محبتوں میں کوئی تضاد اور فرق نہیں ہے۔

پھر تو میرے مالک کے لئے عبادت کریں گے

بہر حال ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کو دیکھا کہ
ایک ہاتھ میں پانی اور ایک ہاتھ میں آگ لے کر جارہی ہیں۔ اس شخص نے پوچھا کہ
رابعہ: کہاں جارہی ہو؟ جواب میں فرمایا کہ اس آگ سے جنت کو جلانے اور اس
پانی سے دوزخ کو بجھانے جارہی ہوں، اس شخص نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے فرمایا
کہ سارے انسانوں کی توجہ جنت اور دوزخ کی طرف لگی ہوئی ہے، کوئی شخص عبادت
کر رہا ہے تو وہ جنت حاصل کرنے کے لئے عبادت کر رہا ہے، کوئی شخص گناہ سے

بچ رہا ہے تو وہ جہنم کے خوف سے گناہ سے بچ رہا ہے، اور میرے مالک کو سب بھلائے ہوئے ہیں، میرے مالک کی رضامندی کو سب نے بھلا رکھا ہے، جنت اور دوزخ کے لئے سب عبادت کر رہے ہیں، جب جنت اور دوزخ باقی نہیں رہیں گی پھر تو میرے مالک کے لئے عبادت کریں گے۔

اصل چیز اللہ کی رضامندی ہے

ان کا اصل مقصد درحقیقت یہ تھا کہ جنت اور دوزخ کی کوئی حیثیت نہیں، اصل چیز اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ناراضگی ہے، وہ خوش ہو جائیں، وہ راضی ہو جائیں اور اپنی رضامندی کا اعلان فرمادیں کہ :

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (سورة الفجر: ۲۷،۲۸)

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہو جائے تو مقصد حاصل ہے، تو اصل چیز اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، جنت اور دوزخ تو رضامندی اور ناراضگی کے عنوانات ہیں لہٰذا ان کو اصل مقصود بنانا درست نہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب ان کا انتقال ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت کے مناظر دکھائے اور حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے ہوتے ہیں : بعض اوقات ان کو سکرات الموت کے وقت جنت کے مناظر دکھا دیے جاتے ہیں، کہ دیکھو یہ تمہارا مقام ہے تم یہاں پہنچنے والے ہو۔ تو جب

ان بزرگ کا انتقال ہونے لگا تو ان کو بھی جنت کے باغات، محلات اور دوسری نعمتیں دکھائی گئیں تو ان بزرگ نے ان نعمتوں سے منہ پھیر لیا، اور یہ شعر پڑھا:

اِنْ کَانَ مَنْزِلَتِیْ بِالْحُبِّ عِنْدَ کُمْ

مَا قَدْ رَأَیْتُ فَقَدْ ضَیَّعْتُ اَیَّامِیْ

کہ اگر میری محبت کا صلہ آپ کے نزدیک وہی تھا جو آپ نے مجھے ابھی دکھایا ہے تو میں نے اپنی ساری زندگی برباد کردی۔ مقصد یہ تھا کہ میں نے جو کچھ کیا تھا ان نعمتوں کی خاطر نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ سب کچھ یا اللہ، میں نے آپ کی رضامندی کے لئے کیا تھا۔ ان نعمتوں کے دکھانے کے بجائے یہ آواز مجھے سنادی جائے کہ آپ مجھ سے راضی ہیں تو اس کے آگے ساری نعمتیں ہیچ در ہیچ ہیں۔

ہمارے لئے جنت سے اعراض جائز نہیں

بہرحال؛ اصل چیز اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، اور ہر عبادت اور ہر اطاعت میں وہی مقصود ہونی چاہئے۔ لیکن ایک بات عرض کردوں کہ میں نے حضرت رابعہ بصریہ کے اور ان بزرگ کے قصے تو سنادیے، حضرت رابعہ نے فرمایا کہ میں جنت کو آگ لگادوں، اور دوسرے بزرگ نے جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ یہ ساری باتیں غلبۂ حال کی باتیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کا جذبہ اس قدر دل پر غالب آگیا کہ وہ اپنے حواس میں نہ رہے، اور اس کی وجہ سے یہ عمل سرزد ہوا۔ ورنہ یہ جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ نے کسی خاص حکمت کے تحت بنائی ہے، اب اگر کوئی شخص اس کو جلانے کا ارادہ کرے تو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض

کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لہٰذا غلبۂ حال کی حالت میں یہ بات ان حضرات نے کہہ دی۔ جس میں وہ حضرات معذور ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان حضرات کے یہ عمل دوسروں کے لئے قابل تقلید نہیں۔ اس لئے ہمارے اور آپ کے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم جنت سے اعراض کریں۔

اللہ سے جنت مانگو

قابل تقلید تو وہ بات ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی، وہ یہ کہ آپ نے فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ
وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ"

اے اللہ! میں آپ سے آپ کی رضا اور جنت کا سوال کرتا ہوں، اور آپ سے آپ کی ناراضگی اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔ بندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جنت مانگے، البتہ ذہن میں یہ رکھے کہ جنت بذات خود مقصود نہیں، مقصود تو اللہ جل شانہ کی رضامندی ہے، چونکہ جنت اس رضامندی کا عنوان ہے، اور جنت کو حاصل کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو حاصل کرنا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے جنت مانگنی چاہئے، کہ یا اللہ! میں آپ سے جنت مانگتا ہوں، اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں۔

ان کا مقام بلند معلوم ہوتا ہے

یہاں ایک باریک بات اور ہے، جو سمجھنے کی ہے، وہ بھی عرض کر دیتا ہوں، انشاء اللہ مفید ہوگی۔ وہ یہ کہ حضرت رابعہ بصریہ اور وہ بزرگ جو عبادت کر رہے تھے

اس سے مقصود بالذات جنت نہیں تھی، بلکہ مقصود بالذات اللہ تعالیٰ کی رضامندی تھی۔ جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ! مجھے جنت دے دیجئے، اب سوال یہ ہے کہ اگر جنت مقصود بالذات نہیں ہے، تو حضور ﷺ پھر جنت مانگ کیوں رہے ہیں؟ اب بظاہر دیکھنے میں یوں معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت رابعہ بصریہ جو بات کہہ رہی تھیں، وہ بہت اونچے مقام کی بات تھی کہ جنت کی نعمتوں کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رضامندی مانگ رہی تھیں۔ اسی طرح وہ بزرگ جنہوں نے جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر یہ کہا کہ میں نے تو اپنی زندگی ضائع کر دی۔ ان دونوں حضرات کی بات بظاہر اونچے مقام کی بات ہے اور دوسری طرف یہ کہنا کہ یا اللہ! مجھے جنت دے دیجئے، یہ اس درجے کی بات نظر نہیں آتی۔

عبدیت کا مقام بلند ہے

یاد رکھئے مقام بلند وہی ہے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے، وہ عبدیت کا مقام ہے، وہ بندگی کا مقام ہے، وہ یہ کہ یا اللہ! میں آپکی نعمتوں کا محتاج ہوں، میں آپ کی جنت کا محتاج ہوں، اس لئے میں آپ سے جنت مانگتا ہوں۔ یہ مقام عبدیت ہے، جو اعلیٰ مقام ہے۔

ہمارے اور ان کے جنت مانگنے میں فرق

البتہ ہمارے جنت مانگنے اور ان کے جنت مانگنے میں فرق ہے، ہم بھی اللہ تعالیٰ سے جنت مانگ رہے ہیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنت مانگتے تھے، لیکن دونوں کے مانگنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ہم جنت اس لئے مانگتے ہیں کہ

ہمارے ذہنوں میں جنت کی نعمتوں کا تصور آتا ہے کہ جنت میں فلاں نعمت ہوگی، جنت میں باغات ہوں گے، جنت میں محلات ہونگے، جنت میں بے فکری ہوگی، جنت میں نہریں ہونگی، پھل ہونگے، عیش و آرام ہوگا، ہم ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے جنت مانگتے ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو جنت مانگ رہے ہیں کہ:۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ ۔ وہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے نہیں مانگ رہے ہیں، بلکہ اس لئے مانگ رہے ہیں کہ وہ جنت اللہ جل شانہ کی عطا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اور وہ جنت اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا عنوان ہے، اس لئے وہ جنت کا سوال کر رہے ہیں۔ لہٰذا دونوں کے مانگنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

عید کے دن عیدی زیادہ مانگنے پر اصرار

اس کی مثال میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ سناتا ہوں، میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ عید کے دن اپنے بچوں کو اور اپنی ساری اولادوں کو جمع کر کے ان میں عیدی تقسیم کیا کرتے تھے۔ ہمیں یاد ہے کہ ان کے تمام بیٹے الحمدللہ سب برسر روزگار کھاتے پیتے تھے۔ کسی کو کوئی تنگی اور ضرورت نہیں تھی۔ جب والد صاحب کے عیدی دینے کا وقت آتا تو سب مچل مچل کر ان سے عیدی مانگتے تھے کہ حضرت: پچھلے سال آپ نے ۲۵ روپے عیدی دی تھی، اب گرانی کا زمانہ ہے، اس سال ہم تیس روپے عیدی لینگے، وہ کہتے کہ نہیں تم زیادہ مانگ رہے ہو، ہم کہتے کہ نہیں، اب ہم عیدی بڑھا کر لینگے، کچھ ترقی ہونی چاہئے۔

اب ۲۵ روپے کے بعد ۳۰ روپے ہو گئے اور پھر ۳۵ روپے دیدیے، ہر بیٹا باقاعدہ ناز کے ساتھ مچل مچل کر دلائل پیش کر کے بڑے ذوق وشوق سے مانگتا تھا۔

نگاہ دینے والے ہاتھ کی طرف تھی

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ بیٹے حضرت والد صاحب سے پچیس روپے جو مانگ رہے تھے، کیا وہ ان پچیس روپے کی مالیت کی وجہ سے مانگ رہے تھے؟ کیا ان کے پاس پچیس روپے نہیں تھے؟ کیا اس لئے مانگ رہے تھے کہ ان پچیس روپے سے بازار سے چیز لا کر کھائینگے تو بڑا مزا آئے گا؟۔۔۔ نہیں۔۔۔ درحقیقت نگاہ ان ۲۵ روپے کے عدد پر نہیں تھی بلکہ نگاہ اس دینے والے ہاتھ پر تھی کہ کس ہاتھ سے وہ ۲۵ روپے مل رہے ہیں۔ اور جب اس ہاتھ سے مل رہے ہیں تو پھر اس کی طرف احتیاج ظاہر کرنے ہی میں لطف تھا۔ اور اس سے مچل کر مانگنے ہی میں لطف تھا۔ اس وجہ سے مچل مچل کر مانگے جا رہے تھے، اور پھر جب وہ پچیس روپے ملے تو ان کو خرچ نہیں کیا۔ بلکہ یادگار کے طور پر رکھ لیے کہ یہ ہمارے والد ماجد کے ہاتھ سے ملنے والی عیدی ہے۔

بیٹے کے مانگنے اور فقیر کے مانگنے میں فرق

ایک فقیر آدمی ہے، وہ آکر کہے کہ مجھے پچیس روپے دیدو، تو ایک طرف یہ فقیر مانگ رہا ہے، اور دوسرے طرف بیٹے اپنے باپ سے مانگ رہے ہیں۔ اب بظاہر تو دونوں مانگ رہے ہیں، لیکن دونوں کے مانگنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہ فقیر تو ۲۵ روپے اس کی گنتی کی وجہ سے احتیاج کی وجہ سے مانگ رہا ہے، اور بیٹے

دینے والے ہاتھ کی وجہ سے مانگ رہے ہیں۔ بس :یہی فرق ہے ہمارے جنت مانگنے میں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جنت مانگنے میں، ہم جنت اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے اور مزے اڑانے کے لئے مانگ رہے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے مانگ رہے ہیں کہ یہ جنت میرے مالک کی رضامندی اور اس کی خوشنودی کا مظہر ہے، اس لئے اس کے مانگنے ہی میں مزہ ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا تتلیاں جمع کرنا

حضرت ایوب علیہ السلام بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ ان کے اوپر کیا کیا مصائب آئے۔ ہر مسلمان جانتا ہے۔ جب وہ صحت مند ہو گئے تو ایک روز وہ غسل کر رہے تھے، غسل کے دوران آسمان سے سونے کی تتلیاں برسنی شروع ہوگئیں۔ انہوں نے غسل کرنا چھوڑ دیا اور سونے کی ان تتلیوں کو پکڑنے اور جمع کرنے میں لگ گئے۔ اللہ تعالی نے پوچھا کہ ایوب! کیا ہم نے تمہیں ساری نعمتیں نہیں دیں؟ کیا اب بھی تمہیں سونے کی ضرورت ہے؟ تم اس کے پیچھے بھاگ رہے ہو؟ جواب میں حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ لَا غِنٰى بِيْ عَنْ بَرَكَتِكَ"

(بخاری شریف، کتاب الغسل، باب من اغتسل عریانا وحدہ فی الخلوۃ، حدیث نمبر ۲۷۰)

اے اللہ! آپ کی طرف سے جب کوئی برکت نازل ہو تو میں اس سے استغناء نہیں کر سکتا، میں اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، میں تو محتاج ہوں۔ میں تو بندہ ہوں، میں تو اس کے پیچھے بھاگوں گا۔ یا اللہ! آپ کوئی نعمت میرے اوپر نازل

فرمائیں اور میں اس کی طرف سے منہ موڑوں؟ اور اس سے اعراض کروں؟ بے نیازی برتوں؟ یہ عمل بندگی کے شایان شان نہیں۔ میری بندگی کا تقاضہ یہ ہے کہ جب آپ نازل فرمارہے ہیں تو آگے بڑھ کر لونگا۔ اور یہ لینا اس وجہ سے نہیں کہ وہ سونا ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ وہ میرے مالک کی عطا ہے، وہ نازل فرمارہے ہیں اس کو بزرگوں نے اس طرح فرمایا :

چوں طمع خواهد زمن سلطان دیں

خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

کہ جب میرا مالک مجھ سے یہ چاہ رہا ہے کہ میں احتیاج کا اظہار کروں۔ طمع کا اظہار کروں، تو اس صورت میں قناعت کے سر پر خاک، پھر قناعت کوئی چیز نہیں۔ تو نگاہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عطا کی طرف ہے۔ بہرحال، سنت طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جنت مانگے، اور خوب مانگے، دل کھول کر مانگے، البتہ ساتھ میں ذہن میں یہ خیال رکھے کہ یہ جنت مقصود نہیں ہے، بلکہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

مبتدی اور منتہی میں بظاہر فرق نہیں ہوتا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بڑی اچھی مثال دی ہے، عجیب و غریب مثال ہے، حضرت فرماتے ہیں صوفیاء کرام نے لکھا ہے کہ جو آدمی نیا نیا دین کی طرف چلنا شروع کرتا ہے، اس کو ''مبتدی'' کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ایک منتہی ہوتا ہے، جو سارے مراحل سے گزر کر منزل تک پہنچ گیا۔ صوفیاء کرام نے فرمایا ہے کہ ''مبتدی'' اور ''منتہی'' دونوں کی

ظاہری حالت یکساں ہوتی ہے، ایک جیسی ہوتی ہے، کس طرح؟ وہ اس طرح کہ جو مبتدی ہے اس نے نماز پڑھنی شروع کردی، کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا شروع کردیا۔ لیکن ساتھ ساتھ وہ اپنے دنیاوی کاموں میں بھی لگا ہوا ہے، بازار بھی جارہا ہے سودا خرید کر لارہا ہے، اپنی روزی بھی کمارہا ہے، یہ سب کام کررہا ہے۔ اور جو منتہی ہوتے ہیں۔ جیسے انبیاء علیہم السلام ان کی حالت بھی بعینہ یہی ہوتی ہے کہ وہ بھی یہ سب کام کررہے ہوتے ہیں، اسی وجہ سے کفار انبیاء علیہم السلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ:

"مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ"

(الفرقان:۷)

کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے، اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ سودا خریدتا ہے یہ تو ہم جیسا انسان ہے۔ یہ رسول کیسے ہوگیا؟ یہ کاروبار بھی کررہا ہے، یہ بھی بکریاں چرارہا ہے، یہ بھی مزدوری کررہا ہے تو ہم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں۔

دونوں میں زمین وآسمان کا فرق

دیکھنے کے اعتبار سے "مبتدی" اور "منتہی" دونوں ایک جیسے نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔ وہ فرق یہ ہوتا ہے کہ ہم جیسے "مبتدی" اگر بازار میں پھر رہے ہیں، یا بیوی بچوں سے ہنس بول رہے ہیں، یا گھر میں باتیں کررہے ہیں تو ہم یہ سب کام اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کررہے ہوتے ہیں۔ جبکہ نبی یا منتہی جو یہ سب کام کررہے ہوتے ہیں وہ اللہ کی رضا کیلئے کر

رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر وہ بازار میں پھر رہے ہوتے ہیں تو وہ اس لئے کہ میرے اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم روزی کماؤ، گھر میں خوش طبعی کی باتیں بیوی بچوں سے اس لئے کر رہے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمہارے گھر والوں کے بھی تم پر کچھ حقوق ہیں۔ لہٰذا دونوں کے کاموں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اگرچہ ظاہری اعتبار سے دونوں ایک جیسے نظر آتے ہیں۔

درمیان والے کی حالت

اور جو شخص درمیان میں ہوتا ہے، وہ ان دونوں سے مختلف ہوتا ہے۔ درمیان والے کے حالات ایسے ہوتے ہیں کہ بعض اوقات وہ دن رات عبادت میں لگا ہوتا ہے۔ کبھی اس پر استغراق کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، اور اس کی توجہ کسی اور کی طرف نہیں ہوتی، کبھی اس پر کوئی اور کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ یہ ''متوسط'' کے حالات ہوتے ہیں، لیکن ''مبتدی'' اور ''منتہی'' کے حالات ایک جیسے ہوتے ہیں۔

دریا کے اس کنارے اور اس کنارے پر کھڑے ہونے والے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر ایک مثال دے کر سمجھایا کہ یوں سمجھو کہ ایک دریا ہے، اور ایک شخص دریا کے اس کنارے پر کھڑا ہے اور دوسرا شخص دریا پار کر کے دوسرے کنارے پر کھڑا ہے۔ یہ شخص بھی کنارے پر کھڑا ہے اور وہ شخص بھی کنارے پر کھڑا ہے، اور تیسرا آدمی دریا عبور کرنے کے لئے غوطے لگا رہا ہے، اور دریا کی موجوں سے کھیل رہا ہے، ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اب بظاہر دیکھنے میں یہ محسوس ہو رہا ہے کہ جو شخص موجوں سے کھیل رہا ہے، وہ زیادہ بہادر آدمی ہے،

اسلئے کہ وہ طوفان سے لڑ رہا ہے۔ اور وہ دو افراد جو دو کناروں پر کھڑے ہیں، یہ سب کے سب ساران ساحل ہیں، بالکل پرسکون ہیں، دونوں نے کوئی مشقت نہیں دیکھی، نہ موجوں سے کھیلے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ شخص جو دوسرے ساحل پر کھڑا ہے، وہ درحقیقت ان ساری موجوں سے گزر کر، ان سارے طوفانوں سے لڑ کر دوسرے ساحل پر پہنچا ہے، اور جو شخص اس ساحل پر کھڑا ہے، اس نے تو طوفان کی شکل ہی نہیں دیکھی، اس نے تو ابھی تک موجوں سے مقابلہ ہی نہیں کیا۔ اب بظاہر دونوں کناروں والے ایک جیسے نظر آ رہے ہیں۔ لیکن حقیقت میں دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

حضور کے اور ہمارے عمل کے درمیان زمین و آسمان کا فرق

بالکل اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا کے سارے کام کرتے تھے، اور ہم آپ بھی دنیا کے کام کرتے ہیں۔ ہم بھی کھاتے ہیں، آپ بھی کھاتے تھے، ہم بھی پیتے ہیں، آپ بھی پیتے تھے، ہم بھی روزی کماتے ہیں، آپ بھی روزی کماتے تھے، ہم بھی بیوی بچوں سے ہنستے بولتے ہیں، آپ بھی بیوی بچوں سے ہنستے بولتے تھے۔ لیکن دونوں کے عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہ یہ کہ ہم یہ سب کام اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب اس لئے کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اس میں تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کاموں کا حکم دیا تھا۔

ہر کام اللہ کی مرضی کے مطابق کرونگا

اس لئے ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یہ چیز

ایسے ہی حاصل نہیں ہوجاتی، بلکہ کوشش اور محنت کرنے کے بعد یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ تم یہ ارادہ کرلو کہ میں ہر کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کروں گا:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(الانعام: ۱۶۲)

اس میں صرف نماز روزے کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ اللہ رب العزت کیلئے ہیں، بلکہ فرمایا کہ میری نماز، میری عبادت، میرا جانا، اور مرنا سب اللہ رب العزت کیلئے ہے۔ لہٰذا ایک مرتبہ یہ عزم کرلو کہ جو کچھ کرونگا، اللہ رب العزت کے لئے کرونگا، مثلاً روزی کماؤنگا تو اللہ کے لئے، بچوں سے بات کرونگا تو اللہ کے لئے، بیوی کے ساتھ معاملہ کرونگا تو اللہ کے لئے، اور اپنے نفس کو آرام دونگا اور سلاؤں گا تو اللہ کے لئے، کھلاؤں گا تو اللہ کے لئے، پلاؤں گا تو اللہ کے لئے، صرف زاویہ نگاہ بدلنے کی بات ہے۔ کھانا پھر بھی ملے گا، آرام پھر بھی ملے گا، لیکن جب ایک مرتبہ یہ طے کرلیا کہ میں یہ کھانا اس لئے نہیں کھارہا کہ میرا دل چاہ رہا ہے، بلکہ میں اس لئے کھارہا ہوں کہ میرے اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اپنے نفس کا بھی تم پر حق ہے، اور جب تم اس حق کو ادا کروگے تو پھر اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے میں مدد ملے گی۔

تصویر کے دورخ

لہٰذا اپنی نیت کو بدلنا اور اپنے زاویہ نگاہ کو بدلنا یہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے، لیکن اختیار استعمال کرنے سے، محنت کرنے سے اور مشق کرنے سے حاصل ہوتا

ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آجکل خاص قسم کی تصویریں بازار میں ملتی ہیں، جن کو ''سہ ابعادی تصویر'' کہتے ہیں کہ اس تصویر کو اگر ایک طرف سے دیکھو تو ایک چیز نظر آرہی ہے، اور جب اس کو دوسری طرف سے دیکھو تو کوئی اور چیز نظر آرہی ہے، مثلاً ایک طرف سے وہ مسجد حرام نظر آرہی ہے اور دوسری طرف سے وہ مسجد نبوی کی تصویر نظر آرہی ہے، اور تیسرے رخ سے وہ بیت المقدس کی تصویر نظر آرہی ہے، حالانکہ وہ ایک ہی تصویر ہے، لیکن رخ بدل کر دیکھنے سے تصویر بدل جاتی ہے۔

زاویہ نگاہ بدلنے کی بات ہے

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ زاویہ نگاہ کے بدلنے کی بات ہے کہ یہ دنیا جس میں تم زندگی گزار رہے ہو، اگر تم اس دنیا کے سارے کام غفلت کے ساتھ، لاپرواہی کے ساتھ، اور نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے انجام دو گے تو پھر یہ دنیا ہے۔ اور یہی سارے کام اللہ کے لئے، اور اللہ کی رضا کی خاطر کر لو تو پھر یہی دنیا ''دین'' بن جاتی ہے۔ اور یہی دنیا اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ پھر خود اپنے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال اس طرح مشق کی ہے کہ میں گھر پہنچا، دسترخوان لگا، اور اس پر کھانا چنا گیا، اور بڑا لذیز کھانا ہے، اور اب بھوک لگی ہے، دل بھی کھانے کو چاہ رہا ہے۔ لیکن ایک لمحہ کے لئے رُک گیا کہ دل چاہنے کی خاطر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ پھر دوسرے لمحے یہ سوچا کہ یہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر ادا کر

کے اس کو تناول فرمایا کرتے تھے۔ اب میں بھی اتباع سنت میں یہ کھانا کھاتا ہوں۔ اگر وہی کھانا ایک منٹ پہلے نفسانی خواہش کی خاطر اور بھوک مٹانے کے لئے کھاتے تو وہ کھانا جائز تھا۔ مباح تھا۔ لیکن وہ کھانا دنیا تھی، اور جب یہ نیت کرلی کہ میں یہ کھانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھا رہا ہوں تو وہی کھانا زاویہ نگاہ کے بدلنے سے "دین" بن گیا۔

بچے کو کس نیت سے گود میں اٹھایا

حضرت نے فرمایا کہ گھر میں داخل ہوئے اور بچہ سامنے آیا، اور کھیلتا ہوا اچھا لگا، دل چاہا کہ اس بچے کو گود میں اٹھالوں۔ لیکن اس کو اٹھانے سے رک گئے، اور سوچا کہ دل کے چاہنے پر بچے کو گود میں نہیں اٹھاؤنگا۔ دوسرے لمحے دل میں یہ تصور لائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے پیار کرتے تھے اور جب کوئی بچہ سامنے آتا تو اس کے ساتھ شفقت اور محبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر خطبہ کے دوران حضرت حسنین مسجد میں آجاتے تو آپ ممبر سے اتر کر ان کو گود میں لے لیتے تھے۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام کیا کرتے تھے، اس لئے میں بھی آپ کی اتباع میں بچے کو گود میں اٹھا رہا ہوں۔ اگر ایک لمحے پہلے بچے کو گود میں اٹھاتے تو یہ دنیا تھی، اب جب بچے کو اٹھایا تو یہ "دین" ہے، اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سامان ہے۔

پھر سونا بھی عبادت بن گیا

فرماتے ہیں کہ میں نے اس طرح سالہا سال مشق کی ہے۔ مثلاً رات کو سونے

کے لئے بستر کے قریب پہنچے، نیند آرہی ہے، آرام دہ بستر بچھا ہوا ہے، دل چاہا کہ سوجائیں۔ لیکن نفس کی خواہش کے تقاضے پر نہیں سوئیں گے۔ پھر یہ تصور دل میں لائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میرے نفس کا اور میری آنکھ کا حق بھی رکھا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا"

(بخاری شریف، کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم، حدیث نمبر ۱۹۷۵)

تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ اب میں اس حق کی ادائیگی کے لئے سوتا ہوں، تو یہ سونا بھی دین بن گیا۔ بہرحال، حضرت نے فرمایا کہ دین تو سارا زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے، اگر زاویہ نگاہ بدل لوگے تو یہی دنیا دین بن جائیگی۔ اس کام کے لئے مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ مشق کے بعد یہ سب کام آسان ہوجاتے ہیں، سارے کام دین بن جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

عبادت سے مقصود اللہ کی رضا

بہرحال، ابتداء میں جو حدیث تلاوت کی تھی، اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو بہت طویل نماز پڑھا کرتے تھے، جسکی وجہ سے آپ کے پاؤں مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ کی اگلی پچھلی تمام بھول چوک معاف ہوچکی ہیں، اس کے باوجود آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ کیا میں شکر

گزار بندہ نہ بنوں۔ بہر حال، اس حدیث سے ایک پہلو تو یہ نکلا کہ عبادت سے مقصود جنت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے، اور جنت اس لئے مقصود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا عنوان ہے، اس لئے جنت سے بھی ہمیں اعراض نہیں کرنا ہے، لیکن یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اصل چیز ہے۔

شکر کی حقیقت

اس حدیث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس سے شکر کی حقیقت معلوم ہو رہی ہے، کہ شکر کیا چیز ہے؟ وہ یہ کہ شکر صرف زبان سے یہ کہہ دینے کا نام نہیں کہ یا اللہ: آپ کا شکر ہے، الحمدللہ، صرف اتنی بات شکر ادا کرنے کے لئے کافی نہیں، اس لئے کہ جو نعمت ملی، اور جس پر وہ الحمدللہ کہہ رہا ہے، اگر اس نعمت کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں صرف کر رہا ہے، پھر یہ کیا شکر ہوا۔ مثلاً ایک شخص نے ایک لیوالور لا کر آپ کو تحفۃً دے دیا کہ یہ تم رکھ لو، تمہارے کام آئیگا۔ آپ نے پہلے اس پر شکر ادا کیا، اور پھر اسی سے اس کو گولی ماردی۔ اب بتائیے کیا یہ شکر ہوا؟ نہیں۔ جس نے آپ کے ساتھ جس چیز کے ذریعے احسان کیا تھا، اسی چیز کو آپ نے اس کے خلاف استعمال کرلیا تو یہ شکر نہ ہوا۔ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ انسان صرف زبان سے شکر ادا نہ کرے، بلکہ دل سے اعتراف کرے کہ اے اللہ! میں اس نعمت کا مستحق نہیں تھا، آپ نے مجھے یہ نعمت میرے استحقاق کے بغیر عطا فرمائی ہے تو اب میں یہ کوشش کرونگا کہ یہ نعمت آپ کی نافرمانی میں استعمال نہ ہو۔

عملی شکر بھی ادا کرو

اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف زبان سے شکر ادا کرنے پر

اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ اپنے عمل کے ذریعہ شکر ادا فرمایا، اس سے پتہ چلا کہ جس طرح قولی شکر ہوتا ہے، اسی طرح شکر عملی بھی ہوتا ہے، عملی شکر یہ ہے کہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھی ہیں، ان نعمتوں کو انکی رضامندی کے کاموں میں استعمال کیا جائے، رضامندی کے خلاف استعمال نہ ہوں۔ مثلاً آنکھ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ لہٰذا جب کبھی اس آنکھ کا تصور آئے تو یہ کہو کہ یا اللہ! آپ نے مجھے یہ آنکھ کی نعمت عطا فرمائی ہے، کتنے لوگ ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں۔ اے اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی ہے۔ یہ جزوی شکر ادا کیا۔

آنکھ اور زبان کا شکر ادا کرنے کا طریقہ

لیکن اصلی شکر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آنکھ کی نعمت عطا فرمائی ہے تو یہ آنکھ سرکاری مشین ہے، یہ آنکھ غلط جگہ پر استعمال نہ ہو، اور ایسی جگہ پر استعمال نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہو۔ اے اللہ! آپ کا بڑا شکر ہے کہ آپ نے مجھے قوت گویائی عطا فرمائی ہے، میری زبان سلامت ہے، میں اس کے ذریعہ جو چاہتا ہوں، بول سکتا ہوں، کتنے لوگ ہیں جو اس قوت گویائی سے محروم ہیں، زبان سے کچھ کہنا چاہتے ہیں، لیکن نہیں کہا جاتا، اے اللہ! آپ کا بڑا کرم ہے کہ آپ نے مجھے یہ زبان عطا فرمائی۔ یہ زبان کا جزوی شکر ہو گیا۔ لیکن زبان کا اصل شکر یہ ہے کہ یہ زبان اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کسی اور کام میں استعمال نہ ہو، اس زبان سے جھوٹ نہ نکلے، اس سے غیبت نہ نکلے، اس سے کسی کی دل آزاری نہ ہو، اس سے کوئی کفر یا فسق کا کلمہ نہ نکلے، یہ ہے اصل شکر۔

نعمتوں کو اللہ کی رضا کے کاموں میں استعمال کرو

لہٰذا اس حدیث سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ زبانی شکر جزوی شکر ہے، اصل شکر وہ ہے جو عمل سے ہو، فعل سے ہو، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے وہ فعل انجام دے، لہٰذا اس حدیث سے اس طرف توجہ دلادی کہ ساری نعمتوں کا حق شکر یہ ہے کہ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں استعمال کیا جائے، اور اگر کبھی غلطی ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔

استغفار کے عجیب کلمات

استغفار کے بہت سے کلمات ثابت ہیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک استغفار یہ تلقین فرمایا کہ :

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ لِلنِّعَمِ الَّتِیْ تَقَوَّیْتُ بِهَا عَلٰی مَعْصِیَتِكَ"

اے اللہ! میں آپ سے معافی مانگتا ہوں ان نعمتوں پر جو آپ نے مجھے عطا فرمائی تھیں، لیکن ان نعمتوں کو صحیح استعمال کرنے کے بجائے میں نے غلط استعمال کیا، اور آپ کے گناہ کے کاموں میں استعمال کیا، اے اللہ، میں اس پر استغفار کرتا ہوں۔

خلاصہ

بہر حال: ان نعمتوں کے حصوں کے بعد کرنے کا کام یہ ہے کہ اولاً زبان سے شکر ادا کرو، دوسرے اپنے اعمال اور افعال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بنانے کی فکر کرو، اور اگر کبھی کوتاہی ہو جائے تو استغفار کرو کہ اے اللہ! مجھ سے غلطی ہوگئی، اور میں نے اس نعمت کو آپ کی مرضی کے خلاف استعمال کرلیا۔ اے اللہ: مجھے معاف

فرمادیں۔ یہ تین کام کرلو۔ بہرحال، اس حدیث نے شکر ادا کرنے کا طریقہ بھی بتادیا اور اس کی حقیقت بھی بتادی۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو ان باتوں کے سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

طالبات کیلئے

تین ہدایات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا عبدالمالک عتیق صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : مدرسۃ البنات،
مدینہ منورہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَرَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طالبات کے لئے تین ہدایات

رجوع الی اللہ۔ مصنف کیلئے ایصال ثواب ۔ اللہ کا شکر

مدینہ منورہ میں جامعہ دار العلوم کراچی کے فاضل و متخصص مولانا عبد المالک العتیق صاحب نے رئیس الجامعہ دار العلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے زیر سرپرستی مدرسۃ البنات قائم کیا ہوا ہے، نائب رئیس الجامعہ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے گزشتہ دنوں مدینہ منورہ میں حاضری کے موقع پر اس مدرسے میں طالبات سے پس پردہ خطاب فرمایا تھا، حضرت والا مدظلہم کا یہ وقیع خطاب طالبات کے لئے اہم ہدایات کا حامل ہے اس لیے افادۂ عام کے لئے شامل اشاعت ہے۔...........بشکریہ البلاغ (میمن)

نحمدهٗ و نصلی علیٰ رسوله الكريم اما بعد!

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کے مدرسے میں حاضری کی توفیق نصیب ہوئی اور یہ بات معلوم ہو کر مسرت ہوئی کہ یہاں طالبات کی تعلیم کا اچھا انتظام ہے اور اب یہاں دورۂ حدیث بھی شروع ہوگیا ہے۔

ہر آن اس پر شکر کرنا چاہیے کہ اللہ رب العزت نے آپ کو اس مبارک مشغلہ میں مصروف فرمایا ہے، یوں تو علم دین جس کو بھی حاصل ہو وہ ایک عظیم نعمت ہے، لیکن

خواتین میں علم دین آجائے تو اس کا عظیم نفع یہ ہے کہ اس سے آنے والی نسل کی بہتر تعلیم وتربیت بہت آسان ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورتوں کو معاشرے کی بنیاد بنا دیا ہے، اور اپنی خانگی زندگی میں اور بچوں کی تربیت میں ان کا عظیم کردار ہوتا ہے۔ ماں کی گود بچہ کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے اور اس کی تعلیم وتربیت سے بڑی بڑی شخصیات پیدا ہوئی ہیں۔

میں عرض کیا کرتا ہوں کہ آج جتنے بھی اولیاء محدثین، مفسرین ہیں ان کو تو سب لوگ جانتے ہیں لیکن جن ماؤں نے انکی تربیت کی اور انکو اس مقام تک پہنچایا ان کو کوئی نہیں جانتا لیکن اگر دیکھا جائے تو انکا یہ کام اور یہ کارنامہ بڑا عظیم ہے۔ بڑے بڑے علماء، فقہاء کی تو شہرت ہو جاتی ہے اور شہرت کی وجہ سے نفس کے تقاضے بعض اوقات انسان کو گمراہ کر دیتے ہیں، ان میں حب جاہ، حب مال کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔

لیکن جو خواتین اپنے اپنے گوشہ میں بیٹھ کر اپنے بچوں کی تربیت کر رہی ہیں ان میں سوائے اخلاص کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے آج تک جتنی خواتین گزری ہیں ان میں اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں۔

مجھے یاد آتا ہے کہ ہمارے دیوبند میں ایک خاتون تھیں جن کا ذکر میں نے اپنے دیوبند کے سفرنامہ میں بھی کیا ہے، ان کا نام تھا امۃ الحنان، وہ اپنے گھر میں بچوں کو پڑھاتی تھیں۔ میں نے بھی قاعدہ بغدادیہ غیر رسمی طور پر ان سے شروع کیا تھا۔ انکے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ دیوبند میں چار پشتوں تک لوگوں نے ان سے پڑھا ہے، ہمارے بہن بھائی، پھر ان کی اولاد پھر ان کی اولادیں سب نے ان سے

پڑھا ہے، اور ان کا نام کوئی نہیں جانتا ان کے پڑھے ہوئے لوگوں نے بہت شہرت پائی، علم کے اعتبار سے بھی اور عمل کے اعتبار سے بھی، لیکن ان کے دل میں ایمان کا علم کا بیج کس نے ڈالا، اس کو کوئی نہیں جانتا، اور صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ وہ بچوں کو پڑھاتی تھیں بلکہ ان کی گھریلو زندگی کی تربیت بھی کرتی تھیں، یہ ان کی غیر نصابی سرگرمیاں تھیں، دیوبند کا شاید ہی کوئی خاندان ان کی تعلیم وتربیت سے محروم رہا ہو، لیکن ان بچوں کو لوگ جانتے ہیں جو دیوبند سے پڑھ کر فارغ ہوگئے اور انکی شہرت ہوگئی، لیکن ان خاتون کو کوئی نہیں جانتا جو بچہ ان کے پاس پڑھتا تھا وہ خاتون ان کے ذاتی معاملات میں بھی دخل دیتی تھیں، میں نے تو ان سے باقاعدہ نہیں پڑھا تھا، بلکہ غیر رسمی طور پر پڑھا تھا، کیونکہ میری عمر چار پانچ سال کی تھی کہ ہم لوگ پاکستان آگئے تھے پھر بھی وہ ہمارے حالات سے باخبر رہتی تھیں اور آخری بار میری ان سے لاہور میں ملاقات ہوئی (وہ لاہور تشریف لائی ہوئی تھیں) میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کہا کہ مجھے تمہارا پتہ ہے انہوں نے الفاظ استعمال کیے کہ "عرب میں ایک بڑا اجتماع تھا اس میں تقی کو بہت اعزاز ملا تھا" یہاں تک وہ ہمارے حالات سے باخبر تھیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جن لوگوں نے ان سے پڑھا انہوں نے صرف پڑھا ہی نہیں بلکہ ان سے آداب سیکھے، شروع سے انکی اٹھان ایسی ہوگئی کہ دین اور دین سے محبت انکے دلوں میں سرایت کرگئی، اس سے اندازہ لگائیں کہ خواتین کی تعلیم وتربیت معاشرے میں کتنی نافع ہوتی ہے۔

جو طالبات یہاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں انکو اپنا مقام جاننا چاہئے کہ اللہ تعالی نے ان کو ایک عظیم خدمت کے لئے مقرر کیا ہے لہذا آپ جو کچھ پڑھ رہی ہیں، اس کو شوق سے پوری محنت کے ساتھ پڑھنا چاہئے، یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ کسی بات کو صرف جان لینا کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔

حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر صرف جان لینا فضیلت کی بات ہوتی تو پھر ابلیس سب سے بڑا عالم ہوتا کیونکہ اس کے پاس بہت علم تھا، وہ افضل الخلائق ہوتا۔ صرف جان لینا فضیلت کی بات نہیں ہے بلکہ ساتھ ساتھ عمل بھی ضروری ہے، لہذا تعلیم کے دوران اپنی تعلیم کی طرف توجہ دیں اور ساتھ ساتھ اس بات کی ضرورت ہے کہ اپنے عمل کو سنت کے مطابق ڈھالا جائے اپنے اخلاق درست کرنے کی کوشش کی جائے، اپنے معاملات درست کرنے کی کوشش کی جائے، اپنی معاشرت درست کرنے کی کوشش کی جائے، اپنے اساتذہ سے جہاں علم سیکھیں، وہاں ان سے آداب بھی سیکھیں اور ان کو سنت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں، اللہ پاک آپ سے بہت عظیم خدمت لینے والے ہیں، اس کے لئے میں دو باتیں عرض کرتا ہوں آپ ان باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کریں تو یہ مقصد حاصل ہوگا۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کامیابی کے لئے جو چیز اہم کردار ادا کرتی ہے وہ ہے "رجوع الی اللہ عزوجل" اللہ پاک کی طرف رجوع کرنا، اللہ پاک کے ساتھ تعلق قائم کرنا، اللہ پاک سے مانگتے رہنا، اس کے لئے رجوع الی اللہ کا اہتمام بہت ضروری ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب سبق پڑھنے جائیں تو اللہ پاک سے مانگ کر جائیں کہ یااللہ میں سبق پڑھنے جارہی ہوں اپنی رحمت سے یہ سبق میرے ذہن نشین کرادیں، اس کو اچھی طرح سمجھنے کی بھی توفیق عطاء فرمائیے۔ اور اس کو یاد بھی کرد دیجئے اور اس پر عمل کی بھی توفیق عطا فرمائیے۔

جب آپ پڑھنے کے لئے سفر کرکے جارہی ہیں، اس وقت میں کوئی نئی مشقت کا اضافہ نہیں ہورہا، بلکہ اسی وقت کو ایک کام میں لگایا جارہا ہے وہ کام ہے اللہ جل شانہ سے رجوع، جاتے ہوئے یہ دعا کرتی جائیں۔ اس طرح استاد بھی جب سفر کرکے جائیں اللہ پاک کی طرف رجوع کرتے ہوئے جائیں کہ یااللہ اپنی رحمت سے صحیح طریقے سے پڑھانے کی توفیق عطاء فرمادے، اپنی رضا کے مطابق پڑھانے کی توفیق عطاء فرمادے۔ جو بات ہم پڑھائیں وہ تیری رضا کے مطابق بھی ہو یہ دعا کرتے ہوئے جائیں یہ رجوع الی اللہ ہے، پھر جب پڑھا چکیں یا پڑھ چکیں تو یہ دعا کریں کہ یااللہ جو کچھ پڑھایا یا پڑھا ہے اس کو محفوظ بھی رکھنے کی توفیق عطاء فرما۔

یہ کام ایسا ہے کہ اس میں کوئی پیسہ نہیں لگ رہا، کوئی تکلیف نہیں ہورہی، لیکن اس کی برکت سے جو کچھ پڑھا، اس میں نور ہوگا اور جو چیز یاد رکھنے کی ہے وہ یاد رہے گی، مقصود یہ نہیں کہ امتحان دیا جائے، امتحان تو صرف اس لئے رکھا گیا کہ اس کے دباؤ کی وجہ سے آدمی محنت کر لیتا ہے، لیکن اصل مقصد تو علم کا حصول ہے، وہ علم سمجھ میں آجائے، ذہن نشین ہو، اس کے لئے اللہ پاک سے مانگتے رہنا۔ بہرحال؛ یہ رجوع الی اللہ، اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے، اسی کے ذریعہ کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں۔

دوسری بات وہ ہے جو میرے شیخ عارف باللہ حضرت اقدس ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس اللہ سرہ کی نصیحت ہے، اللہ پاک ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے وہ فرماتے تھے کہ جو کتاب بھی پڑھنے جاؤ اس کتاب کے مصنف کو کچھ ایصال ثواب کر کے جاؤ اور جب پڑھ کر فارغ ہو جاؤ تو ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر مصنف کو ثواب پہنچاؤ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے اس ایصال ثواب پر دہرا اجر ہے، ہر لفظ پر جو نیکی ملی وہ آپ کا اجر ہو گیا اور پھر ایصال ثواب خود ایک عبادت ہو گئی، آپ سوچیں کے میں کسی کے ساتھ خیر خواہی کر رہا ہوں تو اس کا ثواب بھی ملے گا (ان شاء اللہ العزیز) اور حضرت عارفی قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ پاک سے کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ایصال ثواب کرنے والے سے اس مصنف کے علوم کو جاری فرمادیں اور جب بھی کسی کتاب کا مطالعہ بھی کریں تو مصنف کو ضرور ایصال ثواب کریں، ان شاء اللہ العزیز اس کا بڑا فائدہ ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے کہ جو بھی نئی کتاب پڑھیں، کوئی نئی بات معلوم ہو تو اس پر اللہ پاک کا شکر ادا کریں کہ ہمیں یہ بات معلوم ہوئی، اس پر یا اللہ تیرا شکر ہے، اور ہمیں اس کو محفوظ رکھنے کی توفیق عطا فرما۔

ایک بزرگ کا مقولہ ہے :

إِذَا أَحْدَثَ اللّٰهُ لَكَ عِلْمًا فَأَحْدِثْ لِلّٰهِ عِبَادَةً وَ لَا يَكُنْ هَمُّكَ أَنْ تُحَدِّثَ بِهِ النَّاس

یعنی اللہ پاک جب تم کوئی بات عطا فرمائے تو تم ایک نئی عبادت کرو اور اللہ

پاک کی نئی عبادت یہ بھی ہے کہ شکر کرو کہ یا اللہ آپ نے یہ بات عطا فرمادی اس پر آپ کا شکر ہے اور یہ بھی فرمایا کہ "وَ لَا یَکُنْ هَمُّکَ اَنْ تُحَدِّثَ لِلنَّاسِ" کہ دل میں یہ فکر نہ ہو کہ اچھی بات معلوم ہوگئی، اس کو ہم لوگوں کو بتائیں گے، کوئی اچھی بات سنی، اچھی بات معلوم ہوئی تو دل میں یہ بات آئی کہ یہ بات وعظ میں بیان کردیں گے، لوگوں کو مزہ آئے گا، اگر دل میں یہ نیت پیدا ہوجاتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات دوسروں کو بتانے کے لئے ہے اور اپنا علم جتانے کے لئے ہے، اپنی اصلاح کی فکر نہیں، یہ تو بہت بڑی بیماری ہے جو طالب علموں میں پیدا ہوجاتی ہے۔

یہ تین باتیں ہوئیں رجوع الی اللہ، ایصال ثواب، اور اللہ تعالیٰ کا شکر۔ ان تینوں باتوں کی برکت سے جو علم میں نور، برکت اور فیض پیدا ہوگا اس کا ہم ابھی تصور بھی نہیں کرسکتے۔

اور چوتھی بات یہ ہے کہ علم کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی درس گاہ میں آداب زندگی سیکھیں، اللہ پاک نے ہمیں ایسا دین نصیب فرمایا ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ بھی اس سے خالی نہیں، عبادات، عقائد، معاملات، معاشرت، معیشت، اخلاق غرض تمام شعبے اس میں موجود ہیں۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ مدرسے کا ماحول دین کے پانچوں شعبوں کی تصویر ہو ہر چیز میں اتباع سنت کا اہتمام ہو۔ اخلاق میں، ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں، ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو میں، اتباع سنت کا اہتمام کیا جائے۔ ان تمام باتوں کی عادت ڈالی جائے۔ کیونکہ طالب علمی میں جو عادت پڑجاتی ہے وہ پتھر کی لکیر ہوتی ہے اور وہ نقش ہوجاتی ہے اور اگر طالب علمی میں

بگاڑ پیدا ہوگیا تو وہ بعد میں بھی جاری رہتا ہے، لہٰذا جس طرح آپ اپنے اساتذہ سے ظاہری علم حاصل کررہی ہیں اسی طرح ان سے تربیت بھی حاصل کریں۔ اور جو طالبات فارغ ہورہی ہیں، فارغ ہونے کے بعد کسی اللہ والے سے رابطہ قائم کریں، ان سے اپنے کاموں میں مشورہ لیتی رہیں، اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کسی اللہ والے سے اپنا تعلق قائم رکھیں۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ دین ہمیں اسی طرح پہنچایا ہے کہ کتاب اللہ کے ذریعہ بھی اور رجال اللہ کے ذریعہ بھی :

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ

اس کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا وہ لوگ جن پر اللہ پاک کا انعام ہوا، وہ لوگ یہ ہیں :

اُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء : ٦٩)

بہر حال؛ ان لوگوں کے طریقہ کو اختیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی صحبت ہو اور اگر ان کی صحبت نہ ہو تو کم از کم ان کی کتابیں ان کے حالات پڑھنے کا اہتمام ہو، اکابر علماء دیوبند جن سے ہم کو اللہ پاک نے فیض پہنچایا ہے، ان کے ملفوظات پڑھیں۔

حضرت حکیم الامت کے مواعظ اور ملفوظات اور شیخ الحدیث صاحبؒ کی کتاب آپ بیتی میں بہت بڑا خزانہ موجود ہے اس کو اپنے مطالعہ میں رکھیں اگر اس طرح

آپ علم دین حاصل کریں گی تو دین کے ساتھ آپ کا یہ تعلق برقرار رہے گا۔ اللہ تعالیٰ برکتیں عطا فرمائیں گے، بس یہ چند باتیں ذہن میں آئیں تو مناسب سمجھا کہ آپ کو عرض کردوں، اگر کہنے والے کے دل میں اور سننے والے کے دل میں اخلاص ہے تو ساری باتیں کارآمد ہیں ورنہ اللہ بچائے یہ نہ ہو تو لمبی چوڑی تقریریں بھی بیکار ہیں، پس میں نے دو اور دو چار کر کے یہ باتیں عرض کردیں ان پر عمل کریں گی تو اللہ پاک آپ کو فائدہ دے گا اللہ پاک اس مدرسہ کو صدق واخلاص کے ساتھ دن دونی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اساتذہ اور طالبات کو صدق واخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

☆☆☆

تیز بارش کے دوران آپ ﷺ یہ دعا کثرت سے پڑھا کرتے تھے

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ
وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ

مدارس میں

طلباء کو کس طرح رہنا چاہیے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

مولانا سجاد احمد صاحب

میمن اسلامک پبلشرز

مقام خطاب : جامعہ اسلامیہ، فیصل آباد

وقت خطاب : قبل نماز جمعہ

اصلاحی خطبات : جلد نمبر ۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدارس میں طلباء کو کس طرح رہنا چاہیے

۲۳ رجنوری ۲۰۰۴ء جمعہ کے روز جامعہ اسلامیہ فیصل آباد میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی نے ایک وقیع خطاب فرمایا، جسے مولانا سجاد احمد صاحب نے قلم بند فرمایا، قارئین کے استفادے کے لئے اس کے اہم اہم حصے ذیل میں پیش خدمت ہیں.............................. (میمن)

الحمد لله رب العلمين والصلوٰة والسلام على سيدنا و مولانا محمد خاتم النبيين وامام المرسلين وقائد المتقين وعلى آله واصحابه اجمعين و على كل من تبعهم باحسان الى يوم الدين. اما بعد

تمہید

میرے عزیز دوست مولانا محمد طیب صاحب اور مولانا محمد زاہد صاحب نے طلباء کے سامنے کچھ نصیحت کی باتیں عرض کرنے کی فرمائش کی ہے، میں تو خود نصیحت

کا محتاج ہوں، اور دوسروں کو نصیحت کرنے کا اہل نہیں، لیکن جب کبھی ایسی نوبت آتی ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اپنے پڑھنے کے زمانے میں جب کسی استاذ سے کوئی سبق پڑھتے تھے تو اس کے بعد ہم آپس میں بیٹھ کر وہ سبق یاد کر لیتے تھے، یاد کروانے والا بھی ساتھی ہوتا تھا، یاد کروانے کی وجہ سے وہ استاذ نہیں بن جاتا تھا، اس لئے خیال ہوا کہ جو باتیں اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے سنی ہیں وہ آپ کو بھی یاد کرادوں۔

ہم سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے طالب علم ہیں، اور یہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے ہمیں طالب علموں کے گروہ میں داخل کر دیا، اللہ نے ایسے گھرانے میں پیدا کیا اور ایسے والدین کی سرپرستی عطا فرمائی جنہوں نے ہمیں علم دین کی طلب میں لگایا۔

طالب علم کی تعریف

میرے والد ماجدؒ فرمایا کرتے تھے کہ بتاؤ طالب علم کی تعریف کیا ہے؟ پھر خود ہی فرماتے کہ تمہارے خیال میں طالب علم وہ ہے جس نے مدرسہ میں داخلہ لے لیا، اپنا نام رجسٹر میں لکھوالیا، کسی استاذ کے پاس جا کر سبق پڑھنے لگا، اس کو تم طالب علم سمجھتے ہو، حالانکہ حقیقت میں طالب علم وہ ہے جس کے دل میں علم کی طلب ہو، جس کی علامت یہ ہے کہ اس کے دل و دماغ میں ہر وقت کوئی نہ کوئی علمی مسئلہ چکر کاٹ رہا ہو، اس کے خیالات، اس کی سوچ، اس کا شوق، اس کی امنگ، جو کچھ ہو وہ علم کی طلب سے متعلق ہو کہ علم مجھے حاصل ہو جائے، اگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی

یا کوئی بات حل نہیں ہوئی تو جب تک وہ حل نہ ہو جائے اور سمجھ میں نہ آ جائے، اسے چین نہ آئے، جیسے ایک بھوکے شخص کو جب بھوک لگ رہی ہوتی ہے تو جب تک کھانا نہ مل جائے اس وقت تک اُسے چین نہیں آئے گا، اگر پیاس لگ رہی ہو تو جب تک پانی نہیں پی لے گا اس وقت تک چین نہیں آئے گا، اسی طرح طالب علم کا مطلب یہ ہے کہ وہ علم کا بھوکا اور علم کا پیاسا ہو کہ جب تک علم حاصل نہ ہو جائے، اس وقت تک اس کو آرام میسر نہ آئے، چین نہ آئے۔

"فلولا نفر" کی عجیب لطیف تفسیر

ہمارے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت کریمہ آپ نے سنی ہوگی جو طالب علموں کے لئے بیان کی جاتی ہے، تمام مدرسوں میں ایک طرح سے ایک سرنامے کے طور پر لکھی جاتی ہے :

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ (التوبۃ:۱۲۲)

حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایک تفسیر کے مطابق "لَوْلَا نَفَرَ" علم کی طلب کے لئے نکلنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، قرآن نے "نَفَرَ" کا لفظ استعمال کیا "خَرَجَ" نہیں کہا، حالانکہ "خَرَجَ" اور "نَفَرَ" دونوں کا معنی ایک ہے کہ "وہ نکلا" لیکن قرآن نے "خَرَجَ" نہیں کہا، بلکہ "نَفَرَ" کہا ہے۔

نَفَرَ کیا ہوتا ہے؟

"نَفَرَ" کا اصل مطلب "نَفَرَ مِنْهُ اِلَيْهِ" جس کے معنی ہوتے ہیں کہ ایک چیز سے نفرت کر کے دوسری چیز کی طرف رغبت ہو، یعنی ایک چیز سے نفرت کر کے

دوسری چیز کی رغبت کر کے آدمی نکلے جس کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ علم کے ماسوا سے نفرت کر کے اور اس سے بھاگ کر صرف علم کی طرف اپنی رغبت ظاہر کر کے نکلے، تب ہے وہ طالب علم، تو اس کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ طالب علمی کے سوا اور جتنے مشاغل ہیں، بقدر ضرورت جہاں ضرورت پیش آئے، ان کو انجام دے لے، لیکن دھن اور دھیان لگا ہوا ہو علم کی طرف، اسی لئے کہا گیا کہ طالب علمی ایسی چیز ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی، لوگ سمجھتے ہیں کہ دورۂ حدیث کر لیا تو بس طالب علمی ختم ہوگئی، حالانکہ یہ تو کبھی ختم نہیں ہوتی، یہ تو ''من المهد الى اللحد'' جاری رہتی ہے۔

اپنے اندر طلب پیدا کرو

بھائی سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اگر آپ طالب علم ہیں تو طالب کا مادۂ اشتقاق ''طلب'' پیدا کرو، جس دن طالب علم کے اندر علم کی صحیح طلب پیدا ہوگئی تو سمجھ لو کہ کامیابی کا دروازہ کھل گیا، اللہ تعالیٰ بعض اوقات طالب علم کی طلب علم کی برکت سے ایسے نکات استاذ کے دل پر وارد فرماتے ہیں جو بعض اوقات استاذ کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتے، یہاں اساتذہ بیٹھیں ہیں، یہ گواہی دیں گے کہ پڑھاتے پڑھاتے ایک دم سے دل میں ایک ایسی بات آجاتی ہے جو نہ کبھی مطالعہ میں آئی تھی نہ پہلے کبھی اس کی طرف خیال گیا تھا، اچانک قلب پر ایک نئی بات وارد ہو جاتی ہے، یہ کہاں سے آئی ہے؟ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ طالب علم کی طلب کی برکت سے دل میں ڈال دیتے ہیں۔

علم میں کمال حاصل کرنے کے سنہری گر

اس کے لئے بزرگوں نے اپنے تجربے سے یہ بتادیا ہے کہ مطالعہ کرنا، سبق کو توجہ سے سننا، حاضری کی پابندی، اول سے آخر تک سبق کو سننا ضروری ہے، یہ نہ ہو کہ استاذ سبق شروع کرچکا ہے، اور آپ بعد میں پہنچ گئے، بلکہ استاذ آئے یا نہ آئے، پہلے سے جاکر بیٹھنا، توجہ سے سننا، مطالعہ کا اہتمام کرنا چاہیے، مطالعے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مجہولات کو معلومات سے ممتاز کرلیا جائے، مطالعے کے ذریعے آدمی یہ دیکھے کہ خود سے کتنا سبق مجھے سمجھ میں آگیا، کتنا نہیں آیا، جو نہیں آیا وہ کل ستاذ سے توجہ کے ساتھ سنوں گا، تاکہ سمجھوں، پھر جب استاذ کے سامنے بیٹھو تو توجہ ساتھ سنو، اور توجہ کے ساتھ سن کر پھر بعد میں اس کو آپس میں ایک دوسرے کو لو، یہ تین کام آدمی کرلے تو انشاء اللہ علوم آسان ہوجائیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ سب کے لئے آسان فرمائیں۔

پرواہی سے علم نہیں آتا

لاپرواہی کے ساتھ علم نہیں آتا:

اَلْعِلْمُ لَايُعْطِيْکَ بَعْضَهٗ حَتّٰی تُعْطِيَهٗ كُلَّکَ

جب تک تم اپنا پورا وجود اس کے حوالے نہیں کروگے، اس وقت تک وہ علم کوئی حصہ آپ کو نہیں دے گا، علم بڑا غیرت مند ہے:

اَلْعِلْمُ عِزٌّ لَا ذُلَّ فِيْهِ يَحْصِلُ بِذُلٍّ لَا عِزَّ فِيْهِ

علم ایسی عزت ہے جس میں ذلت کا گزر نہیں، لیکن حاصل ہوتا ہے ایسی

ذلت سے جس میں عزت کا گزر نہیں ہے، یعنی اپنے آپ کو استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرکے، استاذ کا احترام کرکے، کتاب کا احترام کرکے، جو علم پڑھ رہے ہو اس کا احترام کرکے، اپنے آپ کو اس کے سامنے ذلیل کرکے حاصل کرو گے تو انشاء اللہ علم حاصل ہوگا، اور یہ پھر ایسی عزت ہے جس میں ذلت کا نام نہیں ہے، دیکھو بھائی یہ علم جو ہم اور آپ پڑھتے پڑھاتے ہیں، ذرا غور کرلیا کرو کہ یہ ہم تک پہنچا کیسے ہے؟

حدیث کو لے لو، تفسیر کو لے لو، اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اور اس زمانے تک جب تک کتابیں چھپ کر منظر عام پر نہیں آئیں تھیں، اس وقت تک یہ علم کس طرح حاصل ہوتا تھا، کیا کیا قربانیاں، کیا کیا مشقتیں، کیا محنتیں ہمارے اسلاف نے برداشت کیں، حضرت شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے استاذ تھے، ان کی ایک کتاب ہے، جس کا نام ہے ''صَفَحَاتٌ مِنْ صَبْرِ الْعُلَمَاءِ عَلٰی شَدَائِدِ التَّحْصِیْلِ '' اس کتاب کا طلبہ کو ضرور مطالعہ کرنا چاہیے، اگر یہاں نہ ہو تو اس کو ضرور منگوالیں، اس میں انہوں نے ایسے واقعات جمع کئے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ علماء نے علم حاصل کرنے میں کیسی کیسی مشقتیں اور قربانیاں دی ہیں، آج ہم امام بخاری کی کتاب پڑھتے ہیں، اور ساری دنیا اس سے فیضیاب ہو رہی ہے، لیکن امام بخاری کے اوپر سالہا سال ایسے گزرے ہیں کہ سالن نہیں کھایا، بعض روایتوں میں ہے کہ چالیس سال تک سالن نہیں کھایا، اور بسا اوقات صرف باداموں پر گزارا کیا، تین تین بادام، پانچ پانچ بادام کھالئے، بس کھانا ہوگیا، تو کیسی کیسی مشقتوں سے ان بزرگوں نے علم حاصل کیا ہے، کس طرح

ایک حدیث کو حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں میل سفر کئے، آج اللہ تبارک وتعالیٰ نے سارا علم پکی پکائی روٹی کی شکل میں ہمارے سامنے رکھ دیا ہے، کتاب موجود ہے، اسے خریدنے کے لئے بازار جانا نہیں پڑتا، کوئی پیسہ نہیں خرچ کرنا پڑتا، مدرسے نے خود ہی آپ کو کتابیں لے کر دیدی ہیں، لوگ استاد کے پاس سفر کرکے جایا کرتے تھے، گھوڑوں پر، اونٹوں پر، پیدل، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اساتذہ سارے اکٹھے جمع کردئے ہیں، کھانے کی فکر ہوا کرتی تھی کہ کھانا کہاں سے کھائیں گے، اور پانی کہاں سے پئیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی محنت ومشقت اور پیسہ خرچ کئے بغیر کھانا مہیا کردیا، تو پکی پکائی روٹی کی صورت میں علم آپ کے سامنے ہے، آپ کا کام صرف اتنا ہے کہ اس کو منہ میں لے جاکر چبا کر حلق سے اتار دو، اور کوئی محنت نہیں، اتنا اللہ تعالیٰ نے آسان کردیا، اگر وہ کام بھی ہم سے نہ بن پڑے تو بڑے ہی گھاٹے کا سودا ہے ''خسر الدنیا و الآخرۃ'' اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین

اپنے اندر طلب علم پیدا کرنے کے لئے علم کے کام کو سارے دنیا کے کاموں پر فوقیت دے کر محنت سے پڑھیں، اوقات ضائع کرنے والی چیزوں سے اس طرح بچیں جیسے زہر سے بچا جاتا ہے، یہ فضول محفلیں، فضول مجلس آرائیاں، جلسے اور جلوس اور سیاسی سرگرمیاں طالب علم کے لئے زہر قاتل ہیں، یہ ہمارے بزرگوں کا تجربہ ہے، انہوں نے تو یہاں تک فرمایا کہ طالب علم کو چاہیے کہ مغرب کے بعد اوابین کی نفلیں بھی نہ پڑھے، بلکہ دو سنتیں مؤکدہ پڑھ کر اپنے کام میں لگ جائے، تا کہ اس کا وقت علم حاصل کرنے میں صرف ہو تو جب نوافل پڑھنے سے منع کیا جارہا ہے تو

دوسری فضولیات میں وقت ضائع کرنے کی اجازت کہاں ہوسکتی ہے۔

دینی مدارس اور دوسرے اداروں میں فرق

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے شاید سنا ہوگا، یا دیکھا ہوگا کہ دنیا میں جو دوسری درس گاہیں ہیں، یونیورسٹیاں ہیں، کالجز ہیں، مصر چلے جاؤ، شام چلے جاؤ، بڑی بڑی یونیورسٹیاں بنی ہوئی ہیں، اگر دیکھا جائے تو بسا اوقات ان یونیورسٹیوں میں علم وتحقیق کا معیار خاصا بلند بھی نظر آتا ہے، لیکن ان میں اور ہمارے ان مدارس میں ایک بنیادی فرق ہے، وہ یہ کہ وہاں ایک فلسفے اور نظریئے کے طور پر علم پڑھا اور پڑھایا جارہا ہے، جبکہ ان مدرسوں کا مقصد جو دارالعلوم دیوبند کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہیں، یہ ہے کہ علم نرا علم، سوکھا روکھا علم نہ ہو، یہ نظریہ اور فلسفہ نہیں ہے، یہ علم عملی تربیت چاہتا ہے، اور طالب علمی ہی کے زمانے میں انسان کو اسلامی شریعت کی پابندی کی تربیت اس ماحول میں ملنی چاہیے، یہاں رہتے ہوئے اس بات کا عادی بننا چاہیے۔

دارالعلوم دیوبند کی تاریخ تاسیس ''درمدرسہ خانقاہ دیدیم''

دارالعلوم دیوبند کی جو بنا تھی وہ صرف کتاب پڑھانے والا مدرسہ نہیں تھا، بلکہ انسان کی عملی تربیت کی خانقاہ بھی تھی، اسی لئے اس کی تاریخ تاسیس کہی گئی ہے ''درمدرسہ خانقاہ دیدیم'' ہم نے مدرسہ میں خانقاہ دیکھی، یہ جملہ دارالعلوم کے تاسیس کی تاریخ ہے، اور میرے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ جو دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے، یعنی جس سال دارالعلوم دیوبند قائم ہوا، اسی سال ان کی

ولادت ہوئی، اور پڑھنے کے بعد ساری عمر دار العلوم دیوبند ہی میں پڑھایا، وہیں انتقال ہوا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے دار العلوم کا وہ دور دیکھا ہے کہ جب اس کے شیخ الحدیث سے لے کر دربان تک ہر شخص صاحب نسبت ولی اللہ ہوتا تھا، دن میں وہاں قال اللہ، قال الرسول کی آوازیں گونجتی تھیں، اور رات کے وقت انہی پڑھنے پڑھانے والوں کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے رونے اور گڑگڑانے کی آوازیں آیا کرتی تھیں، تو علم کے ساتھ جب تک عمل نہ ہو، جب تک رجوع الی اللہ نہ ہو، جب تک تعلق مع اللہ نہ ہو، جب تک اتباع سنت نہ ہو، اس وقت تک یہ سوکھا، پھیکا اور روکھا علم ہے، یہ فلسفہ ہے جو بہت سے یونیورسٹیوں میں پڑھایا جارہا ہے۔ لیکن ان مدارس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پر رہتے ہوئے آدمی کو صرف علم ہی نہیں سیکھنا، بلکہ اس پر عمل کا طریقہ بھی سیکھنا ہے، اور یہ بات میں خاص طور پر کہنا چاہتا ہوں، کیونکہ ہمارے طبقے میں اس بارے میں غفلت بہت عام ہوگئی ہے کہ دین نام رکھ لیا ہے صرف عبادات کا اور ظاہری وضع قطع کا، اس میں کوئی شک نہیں کہ عبادات دین کا بہت اہم شعبہ ہے، اس کی اہمیت کو کسی طرح بھی کم نہیں کیا جاسکتا، لیکن دین کے اور بھی بہت سے شعبے ہیں جن میں معاملات بھی ہیں، معاشرت بھی ہے، اخلاق بھی ہیں، دین ان سب کے مجموعے کا نام ہے، جہاں بھی جس شعبے میں بھی کمی ہوگی دین میں کمی ہوگی، تو آج اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کا شکر ہے، اس کا انعام ہے کہ عقائد اور عبادات کی حد تک کچھ تھوڑا بہت اہتمام ان مدرسوں میں پایا جاتا ہے، اور یہی وہ چیز ہے جو ان مدرسوں کو دوسرے سرکاری اداروں سے ممتاز کرتی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ عبادات کا بھی کچھ نہ کچھ اہتمام ہے اگر

چہ وہ بھی اب ڈھیلا پڑ رہا ہے، اسی طرح کم از کم ظاہری وضع قطع میں اتباع سنت کے اہتمام کا ایک جذبہ پایا جاتا ہے، جو اور جگہوں پر نظر نہیں آتا، اس پر اللہ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے، لیکن جو دوسرے شعبے ہیں، معاملات کے، معاشرت کے، اخلاق کے ان کو دین سے خارج سمجھ لیا گیا ہے، یہ حدیث دن رات پڑھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ یَدِهٖ

لیکن اگر اپنے طرز عمل کا جائزہ لیں تو قدم قدم پر اس حدیث کی مخالفت ہوتی ہے، معاشرے میں کس طرح رہنا چاہیے، ساتھیوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے، اساتذہ سے کیا برتاؤ ہونا چاہیے، اپنے گھر والوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے، والدین کے حقوق کیا ہیں، بہن بھائیوں کے حقوق کیا ہیں، دوست احباب کے حقوق کیا ہیں؟ اور ان کو کس طرح ادا کرنا چاہیے، زندگی گزارنے کے طریقے کیا ہیں، کیا آداب ہیں، کس قسم کے اخلاق دل میں پیدا ہونے چاہئیں، تواضع ہو، اخلاص ہو، ایثار ہو، اور گندے اخلاق سے بچنا چاہیے، یعنی تکبر، حسد، بغض، ریا کاری اور حب مال اور حب جاہ سے بچے، یہ سب دین کے احکام ہیں، ان کی تربیت حاصل کرنا اور ان کی اہمیت دل میں پیدا کرنا ضروری ہے، اس بارے میں اساتذہ کرام سے استفادہ کیا جائے، ان سے علم میں بھی استفادہ کیا جائے، عمل میں بھی، عبادات میں بھی، اخلاق میں بھی، معاشرت میں بھی، اور اس کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے اسلاف کے حالات وملفوظات کا مطالعہ کیا جائے، ان

میں تربیت کا بڑا سامان موجود ہے، ہم نام لیوا تو ہیں اپنے اکابر علماء دیوبند کے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اکابر علماء دیوبند کے مزاج و مذاق کی ہمیں ہوا بھی نہیں لگی کہ کیا تھے وہ لوگ؟ ان کی ان کے کردار کی کیا خصوصیات تھیں؟ الحمد للہ سب کی سوانح چھپی ہوئی ہیں، وہ کبھی کبھی پڑھا کریں، حضرت نانوتویؒ سے لے کر ہمارے دور کے آخری اکابر تک سب کے حالات یکے بعد دیگرے آپ کو پڑھنے چاہئیں، ان سے سبق لینا چاہیے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ان باتوں مجھے اور آپ سب کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

❀❀❀❀

اجمالی فہرست

مکمل اصلاحی خطبات (بیس جلدیں)

عنوانات | صفحات نمبر

اِصْلَاحِیْ خُطْبَاتْ جلد (۱)

اصلاحی خطبات جلد (۲)

اصلاحی خطبات جلد (۳)

اصلاحی خطبات جلد (۴)

اصلاحی خطبات جلد (۵)

اصلاحی خطبات جلد (۶)

اصلاحی خطبات جلد (۷)

اصلاحی خطبات جلد (۸)

اصلاحی خطبات جلد (۹)

اصلاحی خطبات جلد (۱۰)

اصلاحی خطبات جلد (۱۱)

اصلاحی خطبات جلد (۱۲)

اصلاحی خطبات جلد (۱۳)

اصلاحی خطبات جلد (۱۳)

اصلاحی خطبات جلد (۱۵)

اصلاحی خطبات جلد (۱۶)

اصلاحی خطبات جلد (۱۷)

اصلاحی خطبات جلد (۱۸)

اصلاحی خطبات جلد (۱۹)

اصلاحی خطبات جلد (۲۰)